ماہنامہ

محدث

بنارس

سرپرست

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

مدیر

مولانا عبدالوہاب حجازی

معاون مدیر

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

مولانا عبدالمتین مدنی

عدد مسلسل: ۳۲۰

جلد: ۲۸ ، شمارہ: ۹

رمضان-شوال ۱۴۳۱ھ

ستمبر ۲۰۱۰ء

بدل اشتراک

- ہندوستان: **150** روپے
- بیرون ممالک: **40** ڈالر
- فی شمارہ: **15** روپے

مراسلت کا پتہ

دار التالیف والترجمہ
بی ۱۸/۱جی ، ریوڑی تالاب
وارانسی - ۲۲۱۰۱۰

Darut Taleef Wat Tarjama
B.18/1-G, Reori Talab,
Varanasi - 221010

اس شمارہ میں

۱- درس قرآن	عبداللہ سعود بن عبدالوحید	۲
۲- درس حدیث	مولانا عبدالسلام مدنی	۳
۳- افتتاحیہ	مدیر	۴
۴- اسلام اور اس کے تہوار	مولانا حافظ محمد صاحب سورتیؒ	۶
۵- فیصلہ بابری مسجد کا	مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی	۱۲
۶- آداب سفر حج	مولانا عبدالمتین مدنی	۱۵
۷- حج وعمرہ کی مروجہ بدعات……	مولانا عبدالرحیم ریاضی	۱۸
۸- قلم کی حفاظت	مولانا مظہر الاعظمی	۲۲
۹- مجلس اور اس کے اسلامی آداب	اسامہ احمد صغیر احمد	۲۴
۱۰- موبائل کے فتنے	حماد عبدالغفار سلفی	۲۹
۱۱- وہابی تحریک کی سرگرمیاں	صدیق احمد نفیس احمد	۳۱
۱۲- جامعہ اسلامیہ مدینۃ الرسول……	شمیم احمد محمد ابراہیم	۳۶
۱۳- خانوادۂ صاحب مرعاۃ……	راشد حسن فضل حق مبارکپوری	۴۰
۱۴- حجاج کرام کے لیے ایک نایاب تحفہ	مولانا محمد ابوالقاسم سلفی	۴۲
۱۵- عالم اسلام	ظل الرحمٰن سلفی	۴۴
۱۶- اخبار جامعہ	ادارہ	۴۵
۱۷- باب الفتاوی	مولانا نورالہدی سلفی	۴۶

نوٹ: ادارہ کا مضمون نگار کی رائے سے متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

درس قرآن

اللہ کی ناراضگی سے بچو

عبداللہ سعود بن عبدالوحید

﴿أَتَأْمُرُونَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنسَوْنَ أَنفُسَكُمْ وَأَنتُمْ تَتْلُونَ الْكِتَابَ أَفَلاَ تَعْقِلُونَ، وَاسْتَعِينُواْ بِالصَّبْرِ وَالصَّلاَةِ وَإِنَّهَا لَكَبِيرَةٌ إِلاَّ عَلَى الْخَاشِعِينَ، الَّذِينَ يَظُنُّونَ أَنَّهُم مُّلاَقُوا رَبِّهِمْ وَأَنَّهُمْ إِلَيْهِ رَاجِعُونَ﴾ (سورہ بقرہ:۴۴-۴۶)

کیا تم لوگوں کو بھلی بات کا حکم دیتے ہو اور اپنی ذات کو بھول جاتے ہو، حالانکہ تم کتاب کو پڑھتے ہو، تم سمجھتے کیوں نہیں؟ صبر اور صلاۃ سے مدد لو، یاد رکھو یہ چیزیں صرف (اللہ سے) ڈرنے والوں کو چھوڑ کر سب پر بہت بھاری ہے۔ (خاشعین) وہ لوگ ہیں جنہیں گمان ہے کہ انہیں اپنے رب سے ملنا ہے اور یہ کہ ان کو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

ابن جریج کا بیان ہے کہ اہل کتاب اور منافقین لوگوں کو روزہ اور نماز کا حکم دیتے اور خود عمل نہ کرتے تو اللہ تعالی نے تنبیہ کی کہ جو نیکی کا حکم کرے اس کو نیکی کے کام میں مسابقت کرنی چاہئے۔ (تفسیر ابن کثیر)

مسند امام احمد بن حنبل میں انس بن مالک رضي اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ معراج کی رات میرا ایک ایسی قوم سے گذر ہوا، جن کے ہونٹ جہنم کی قینچی سے کاٹے جا رہے تھے، میں نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟ تو بتایا گیا کہ دنیا کے وہ خطباء ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیا کرتے تھے اور اپنے کو بھول جاتے تھے۔ (مسند احمد:۱۲۲۳۲)

نیکی کرنا اور نیکی کا حکم دینا یعنی امر بالمعروف امت محمدیہ کا شیوہ ہے لیکن ہر انسان کو اپنے عمل پر پہلے نگاہ رکھنی چاہئے، اللہ تعالی نے سورہ صف آیت ۲، ۳ میں فرمایا: ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ، كَبُرَ مَقْتاً عِندَ اللَّهِ أَن تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ﴾ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو ایسی بات کیوں کہتے ہو جس کو تم خود نہیں کرتے، یہ اللہ کے نزدیک سخت ناراضگی کا سبب ہے کہ ایسی بات کہو جسے خود نہیں کرتے۔

اور سورہ غافر آیت ۱۰ میں فرمایا: ﴿إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللَّهِ أَكْبَرُ مِن مَّقْتِكُمْ أَنفُسَكُمْ إِذْ تُدْعَوْنَ إِلَى الْإِيمَانِ فَتَكْفُرُونَ﴾ بیشک وہ لوگ جو کفر کرتے ہیں (جب جہنم میں جھلسیں گے اور اپنے کئے پر سخت ناراض ہوں گے تو) ان کو آواز دی جائے گی کہ تمہارے غصہ سے اللہ کا غصہ اور ناراضگی بہت بڑی ہے کہ جب تم کو (دنیا میں) ایمان کی دعوت دی جاتی تھی تو تم کفر کرتے تھے۔

رمضان المبارک کا مہینہ اللہ کی رضا کی طلب کا مہینہ ہے، صبر اور نیکی کی طرف سبقت کرنے کا مہینہ ہے، امر بالمعروف بھی نیکی ہے اور یہ مسلمان پر واجب ہے، اور اسی کے ساتھ ساتھ یہ بھی واجب ہے کہ انسان دوسروں کو حکم کرنے سے پہلے اپنے عمل کا بھی جائزہ لے، ایسا نہ ہو کہ وہ سمجھے کہ ہم نیکی اور رضائے الہی کا کام کر رہے ہیں اور وہ الٹا اللہ کی ناراضگی کا سبب بن جائے۔ اللہ تعالی ہمیں اس سے محفوظ رکھے، آمین۔ ☆☆

درس حدیث: ۱۳۷

علم شرعی کی بقاء عمل پر منحصر

تحریر: مولانا عبدالسلام مدنی / استاذ جامعہ سلفیہ، بنارس

عن زياد بن لبيد، قال: ذكر النبي ﷺ شيئا، فقال: ذاك عند أوان ذهاب العلم. قلت: يا رسول الله! وكيف يذهب العلم؟ ونحن نقرأ القرآن، ونقرئه أبناء نا، ويقرئه أبنائنا أبنائهم إلى يوم القيامة.

فقال: ثكلتك أمك زياد! إن كنت لأراك من أفقه رجل بالمدينة، أو ليس هذه اليهود والنصارى يقرؤون التوراة والإنجيل، لا يعملون بشيء مما فيهما. رواه أحمد، وابن ماجه (مشكاة ج ۱، ص ۳۸)

قال الشيخ الألبانیؒ: رجال إسنادهما ثقات، ولكنه منقطع، لكن له شاهدان، ورواه الحاكم ...... وصححها جميعها، ووافقه الذهبی. (مشكاة ج ۱، ص ۸۱)

ترجمہ: حضرت زیاد بن لبیدؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسی (ہولناک) چیز کا ذکر کیا اور فرمایا کہ اس کا وقوع اس وقت ہوگا جب علم (شرعی) ختم ہو جائے گا۔ حضرت زیادؓ نے کہا کہ اے اللہ کے رسول! علم شریعت کیسے مٹ جائے گا جب کہ ہم قرآن مجید پڑھتے ہیں، اور اپنے بچوں کو پڑھاتے ہیں، اور ہماری اولاد اپنے بچوں کو تا قیام قیامت پڑھاتی رہے گی؟

آپ ﷺ نے فرمایا: زیاد! تمہاری ماں تم کو گم کرے (یعنی آپ نے انتہائی حیرت اور تعجب کیا) میں تم کو مدینہ کا زیادہ فہم و فراست والا فرد سمجھتا تھا، کیا یہ یہود و نصاری تورات اور انجیل نہیں پڑھتے ہیں مگر ان کی ہدایات میں سے کسی پر بھی عمل پیرا نہیں ہیں۔ (یہ اس علم کا نیست و نابود ہونا ہے) (احمد، ابن ماجہ وغیرہ، حدیث صحیح)

تشریح: حدیث پاک سے ثابت ہوتا ہے کہ علم شرعی کی بقاء صرف پڑھنے اور پڑھانے سے حاصل نہیں ہو سکتی ہے، اگر امت مسلمہ اسے اپنے عمل و کردار سے زندہ و جاوید نہ بنائے تو یہ علم ختم ہو جائے گا، رسول اللہ ﷺ نے یہود و نصاری کی مثال دے کر سمجھایا ہے کہ وہ اپنی کتابوں کو پڑھتے پڑھاتے ہیں مگر ان پر کاربند نہیں ہیں اس لئے ان صحیفوں کا حقیقی علم نیست و نابود ہو گیا ہے۔

سورہ جمعہ میں اللہ پاک نے یہود کی بے عملی کی ایک قبیح مثال ذکر فرمائی ہے، ارشاد ہے: ﴿مثل الذين حملوا التوراة ثم لم يحملوها كمثل الحمار يحمل أسفارا، الآية، الجمعة: ۵﴾ یعنی ”جن لوگوں کو تورات پر عمل کرنے کا حکم دیا گیا پھر انہوں نے اس پر عمل نہیں کیا ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بہت سی کتابیں لادے ہو“۔ (جوناگڈھیؒ)

شریعت کا امت مسلمہ سے تقاضہ یہ ہے کہ وہ چلتے پھرتے کتاب و سنت کی عملی تفسیر نظر آئیں جیسا کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی پوری زندگی تھی، حضرت عائشہؓ سے جب آپ ﷺ کے اخلاق کے بارے میں دریافت کیا گیا تو گویا ہوئیں ”ألست تقرأ القرآن؟ قال: بلى۔ قالت: فإن خلق رسول الله ﷺ كان القرآن“۔ (تفسیر ابن کثیر ج ۴، ص ۴۰۲)

یعنی آپ کی ذات گرامی سراپا قرآن مجید کی عملی تفسیر تھی ﷺ۔

رب العالمین! امت مسلمہ کو علم شریعت کی بقاء و دوام کے لیے تعلیم و تعلم کے ساتھ صاحب کتاب بنا، آمین۔

☆☆☆

افتتاحیہ

حج کی مصلحتیں

اسلام کے احکام اوراس کی عبادات کے مصالح پرغور وفکر کرنا بھی ائمہ اسلام کا طریقہ رہا ہے، مصالح کشش کا باعث ہوتے ہیں، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی رحمہ اللہ نے اپنی مشہور زمانہ کتاب ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں حج کے تمام احکام پرغور وفکر کر کے ابواب الحج کے آغاز میں جن عظیم مصالح کا ذکر کیا ہے، ذیل میں انہیں درج کیا جاتا ہے، انہوں نے ہر حکم حج کے اسرار اپنی اپنی جگہوں پر ذکر کئے ہیں جو قابل دید ہیں:

حج کی عظیم مصلحتیں یہ ہیں:

(۱) بیت اللہ الحرام کی تعظیم کرنا، بیت اللہ الحرام اللہ کے شعائر میں سے ہے اوراس کی تعظیم اللہ کی تعظیم ہے۔

(۲) اللہ کے سب سے بڑے دربار میں بامقصد حاضری دینا، ہر ملک وملت کا اپنا بڑا اجتماع ہوتا ہے جس میں دور، نزدیک کے لوگ آتے ہیں تاکہ ایک دوسرے کو پہچانیں، ملت کے احکام کا استفادہ کریں اوراس کے شعائر کی تعظیم کریں۔

حج مسلمانوں کا اجتماع عظیم ہے جو اللہ کے سب سے بڑے دربار میں ہوتا ہے، اس میں ان کی شوکت کا ظہور ہے، ان کے وفود وجنود کا اجتماع ہے اوران کی ملت کے شان کی بلندی ہے اوراللہ کے اس ارشاد کا یہی معنی ہے: ﴿واذ جعلنا البيت مثابة للناس و أمنا﴾ (البقرۃ:۱۲۵) ہم نے بیت اللہ الحرام کو لوگوں کے لیے باربار لوٹ کر آنے اورامن وامان کی جگہ بنائی۔

(۳) سیدنا ابراہیم واسماعیل علیہما السلام سے جو باتیں ورثہ میں ملی ہیں ان کی موافقت کرنا، یہ دونوں عظیم شخصیتیں ملت حنیفیہ کے امام ہیں، اورعربوں کے لیے ملت حنیفیہ کے شارع ہیں، اورنبی محمد ﷺ کی بعثت اس لیے ہوئی تاکہ آپ کے ذریعہ ملت حنیفیہ غالب آئے اوراس کا کلمہ بلند ہو، اللہ تعالی کے اس فرمان میں یہی کہا گیا ہے: "ملة أبيكم ابراهيم" (سورۃ الحج:۷۸) اپنے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین قائم رکھو، لہذا یہ فرض ہے کہ ملت حنیفیہ کے ان دونوں اماموں سے جو چیزیں شہرت کے ساتھ منقول ہیں ان کی حفاظت کی جائے جیسے فطری صفات (مثلا داڑھی بڑھانا، مونچھ کٹانا، ختنہ کرانا، مسواک کرنا وغیرہ) اورحج کے اعمال، رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان اسی معنی میں ہے کہ اپنے مقامات حج پر ٹھہرو، یقیناً تم اپنے باپ ابراہیم کی میراث میں سے ایک میراث پر ہو۔

(۴) ایک حال پر سب کا اتفاق کرنا تاکہ اس سے عوام وخواص سب کے لیے آسانی پیدا ہو، جیسے ۸/ذی الحجہ کو منی میں قیام کرنا، اور ۹/ذی الحجہ کو وقوف عرفہ کے بعد مزدلفہ میں سب کا رات گزارنا (اس سے ۹/ذی الحجہ کو عرفات کے لیے روانگی اورمنی کی طرف ۱۰/ذی الحجہ کو واپسی سب کے لیے سہل ہوجاتی ہے) اگر ایسا نہ ہوتا تو لوگوں کے لئے بڑا دشوار ہوتا۔

(۵) حج میں ایسے اعمال ہیں جو حاجی کے موحد ہونے کا اعلان کرتے ہیں نیز یہ کہ وہ حق کا پیروکار ہے، ملت حنیفیہ کا حلقہ بگوش ہے اوراس انعام پر اللہ کا شکرگزار ہے جو اس نے اس ملت کے اوائل پر کیا ہے جیسے صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا (یہ حضرت ہاجرہ ام اسماعیل علیہما السلام پر انعام ہے جسے اللہ کی یاد کے لیے حج کے اعمال میں اہم درجہ دیا گیا ہے)۔

(۶) اہل جاہلیت حج کرتے تھے، اورحج ان کا اصل دین تھا، لیکن:

الف- انہوں نے ایسے اعمال گڈمڈ کرلیے تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام سے منقول نہیں تھے، بلکہ ان کے اپنے گھڑے

ہوئے تھے جیسے غیر اللہ کو شریک ٹھہرانا، جیسے اساف اور نائلہ نام کے بتوں کی تعظیم کرنا، اور مناۃ بت کے لیے احرام باندھنا، اور تلبیہ میں ان کا یہ کہنا "لا شريك لك، الا شريكا هو لك" یعنی اے اللہ تیرا کوئی شریک نہیں مگر ایسا شریک جو تیرا ہے۔ ضروری تھا کہ ایسے اعمال سے روک دیا جاتا اور اس کے متعلق سختی کی جاتی۔

ب- کچھ اعمال ان لوگوں نے فخر اور خود پسندی کے طور پر حج میں شامل کرلیا جیسے قریش کا یہ کہنا کہ ''ہم اللہ کے حرم کے رہنے والے ہیں، لہذا اللہ کے حرم سے نکل کر نہیں جائیں گے (یعنی مزدلفہ میں ٹھہرے رہیں گے، عرفات کے میدان میں جو حدود حرم سے باہر ہے نہیں جائیں گے) اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ثم أفيضوا من حيث أفاض الناس" (البقرۃ:۱۹۹) یعنی تم سب وہاں سے پلٹ کر آؤ جہاں سے سارے لوگ پلٹ کر آتے ہیں، اور جاہلیت کے لوگ منی کے دنوں میں اپنے باپ دادا پر فخر کے میلے لگاتے تھے، اللہ تعالی نے حکم نازل فرمایا: ﴿فاذكروا الله كذكركم آباء كم أو أشد ذكرا﴾ (سورۃ البقرۃ:۲۰۰) یعنی اللہ کا ذکر کرو، جیسے تم اپنے باپ دادا کا ذکر کرتے تھے بلکہ اس سے بڑھ کر اللہ کا ذکر کرو۔

انصار مدینہ نے جب اس اصل کو جان لیا تو صفا مروہ کے درمیان سعی کرنے میں انہوں نے تنگی محسوس کی (اس لیے کہ منات کے لئے احرام باندھنا انصار کی خاص پہچان تھی تو صفا مروہ پر اساف و نائلہ بت رکھے تھے، اس لیے ان کے درمیان سعی کس طرح ہو سکتی ہے) اس پر اللہ تعالی نے یہ آیت نازل فرمائی: ﴿ان الصفا والمروة من شعائر الله﴾ (سورہ بقرہ:۱۵۸) یعنی صفا اور مروہ اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں (یعنی عبادت الہی کے مقامات حج میں سے ہیں بتوں کی تعظیم کے لیے نہیں ہیں)

(۷) اہل جاہلیت نے دین ابراہیمی میں نئے فاسد قیاس ایجاد کر لئے تھے جو غلو کے قبیل سے تھے، جن میں لوگوں کے لئے دشواری تھی، اور اس لائق تھے کہ انہیں مٹا اور ترک کر دیا جائے، جیسے ان کا کہنا تھا کہ: محرم گھر کے دروازوں سے داخل ہونے سے بچے گا، وہ گھر کے پچھواڑوں سے پھاند کر گھر میں گھستے تھے، ان کا گمان تھا کہ دروازہ سے داخل ہونا ایسا دنیاوی فائدہ ہے جو حالت احرام کے منافی ہے، اللہ تعالی نے اس کے رد میں حکم نازل فرمایا: ﴿وليس البر بأن تأتو البيوت من ظهورها﴾ (البقرۃ:۱۸۹) یہ نیکی نہیں ہے کہ تم گھروں میں ان کے پچھواڑوں سے داخل ہو، اور وہ لوگ موسم حج میں تجارت ناپسند کرتے تھے، ان کا گمان تھا کہ تجارت اللہ کے لئے عمل کو خالص کرنے میں خلل انداز ہوتی ہے، اللہ تعالی نے اس خیال کے رد میں یہ آیت کریمہ نازل فرمائی: ﴿ليس عليكم جناح أن تبتغوا فضلا من ربكم﴾ (البقرۃ:۱۹۸) تم لوگوں پر اپنے رب کا فضل (تجارت وغیرہ) تلاش کرنے میں کوئی گناہ نہیں ہے۔

وہ لوگ یہ بھی اچھا خیال کرتے تھے کہ بلا سفر خرچ کے حج کو نکلیں، وہ کہتے تھے کہ ہم اللہ پر توکل و بھروسہ کرنے والے لوگ ہیں، پھر لوگوں کو تنگ کرتے اور حد سے تجاوز کرتے تھے، اس کے رد میں اللہ تعالی نے یہ حکم نازل فرمایا: ﴿وتزودوا فان خير الزاد التقوى﴾ (البقرۃ:۱۹۷) اپنے ساتھ سفر خرچ لے لیا کرو، سب سے بہتر زاد راہ اللہ کا ڈر ہے۔

وہ یہ بھی کہا کرتے تھے کہ سب سے بڑا گناہ حج کے دنوں میں عمرہ کرنا ہے، ان کا کہنا تھا ''جب صفر کا مہینہ گذر جائے اور سفر سے زخمی اونٹ صحیح ہو جائیں اور راہ کے نشان مٹ جائیں تو جو شخص عمرہ کرنا چاہے اس کے لیے حلال ہے، ایسا کرنے میں دنیا کے دور دراز کے لوگوں کے لیے تنگی پیدا کرنا ہے، اس لیے کہ انہیں عمرہ کے لیے نئے سفر کی حاجت ہوگی، اس کے رد میں نبی اکرم ﷺ نے اصحاب کرام کو حجۃ الوداع میں حکم دیا کہ عمرہ کر کے احرام سے نکل جائیں اور اس کے بعد نئے احرام سے حج کریں، رسول اللہ ﷺ نے اس حکم میں سختی برتی تا کہ ان کی عادت اور دلوں میں گڑی ہوئی بات تکلیف ہی سے سہی ختم ہو جائے۔ ☆☆

اسلام اوراس کے تہوار

مولانا حافظ محمد صاحب سورتی رحمہ اللہ

وہ دن جس میں کوئی قوم باہر نکل کر اپنے اجتماع کا مظاہرہ کر کے اپنی خوشی وخوش حالی کا اعلان کرے اسے میلہ وتہوار کہتے ہیں۔

اسلام ایک پاک اور فطری دین ہے جس نے یہود ونصاری کی رہبانیت، ہنود ومشرکین کے جوگ ونفس کشی کو جہاں ناجائز وخلاف فطرت بتایا وہاں مجوس وملاحدہ اور جہال ومتکلفین کی حد سے زیادہ آزادی، ہوا پرستی، عیش طرب کی بدمستی کو بھی بند کردیا، جس طرح اس میں ہر وقت غمگین ورنجیدہ رہنا، نوحہ وماتم کرنا، ناامیدی ویاس، تکلیف ونمود ناروا ہے، اسی طرح عیاشی وعیاری، مےنوشی وبدکرداری اور تماشہ بینی بھی حرام وممنوع ہے۔

جہاں اس نے انسان کے اخلاق وعادات، اوہام وخیالات، آراء واعتقادات کی اصلاح وتربیت فرمائی وہاں پابندی کے کچھ حدود معین کر کے نفوس کو فی الجملہ آزادی بھی عطا کی تاکہ انبساط وخوشی، راحت وسکون حاصل کر کے فطرت کی ودیعت سے فائدہ اٹھائیں، اور ساعة فساعة کے اصول پر کبھی کبھی حظوظ نفس بھی لیا کریں۔

الغرض جب کسی چیز سے پرہیز کرنے کا حکم دیا تو اس کا نعم البدل مہیا کر کے اطمینان وتسلی کا سامان فراہم کردیا اور خاص وعام سب کے مقاصد ومفاد کا خیال رکھا۔

دنیا میں تمام اقوام کے متفرق میلے اور تہوار مقرر ہیں، اسلام نے بھی ان کی اصلیت تسلیم کرتے ہوئے نفوس صالحہ کی خوشی وانبساط کی خاطر دودن مقرر فرمائے، یہ ہی اسلامی عید کے دن ہیں، ان میں وہ سب خوبیاں جمع کی گئیں جو ایک زندہ عملی قوم کے واسطے ضروری ہیں، اسی واسطے آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: "إن لكل قوم عيدا وهذا عيدنا" (یقیناً ہر ایک قوم کی عیدیں ہیں اور یہ ہماری عید ہے۔

چونکہ اسلام ہی اللہ تعالی کا آخری اور مکمل پیغام، خالص توحید اور فطرت کا طریقہ ہے، اس لیے اس کے ہر ایک عمل اور تعلیم سے شخصیت پرستی کی جڑ کاٹ دی، مخلوق وخالق، بندہ اور آقا میں حقیقی فصل وتمیز ہر جگہ صاف صاف بتائی گئی اور کوئی ذریعہ نہیں باقی رکھا گیا جس کی وجہ سے امت مسلمہ پھر پہلی امتوں کی طرح شخصیت پرستی، انبیاء وصالحین کی محبت وتعظیم میں وہ غلو وافراط کرے جس کی وجہ سے خالق ومخلوق، رب ومربوب، عاجز وقدیر، حاکم ومحکوم میں کسی قسم کا امتیاز باقی نہ رہے اور الوہیت وعظمت کے وہ تمام مظاہر (نمونے) وہ اعمال بعینہ مخلوق کے ساتھ اسی طور پر انجام پائیں، جو صرف ذات باری تعالی کے لیے کرنا چاہئے۔

پہلی امتوں نے انبیاء وصالحین کی محبت میں وہ افراط وغلو کیا کہ معبود وعابد، بشر واله میں کچھ فرق باقی نہ رہا، ناسوت ولاہوت (انسان اور اللہ) کو متحد سمجھ کر طرح طرح کی گمراہیوں اور کفر میں پھنس گئے، کبھی کسی نبی کو خدا کا بیٹا بتایا، کبھی کسی نیک آدمی کو خدا کا مظہر بنا کر کل عبادت کے کام جو صرف اللہ تعالی کے واسطے مخصوص ہیں اس کے ساتھ کرنے شروع کردیئے، مثلاً سجدہ کرنا، اس کے نام کی قسم کھانا، اس کے واسطے نذر ونیاز کرنا، منتیں ماننا، مصیبت اور دکھ کے وقت پکارنا، حاجت روا، مرض اور تندرستی

دینے والا سمجھنا، اسے اپنا سفارشی مان کر تمام فرائض سے اپنے آپ کو آزاد و مستغنی خیال کرنا، اس کی قبر کا مجاور بننا، پتھر اور اینٹ، پھول چادریں وغیرہ چڑھانا۔

مثال کے طور پر عیسائیوں کو لیجئے ان کے تہواروں میں عید میلاد اور دوسری ایسی عیدیں نظر آئیں گی جو شخصیت پرستی اور محبت میں غلو وافراط کا نتیجہ ہیں، دوسری قومیں بھی یہی طریقہ اختیار کئے ہوئے ہیں، عموما کسی بڑے شخص کی ولادت، وفات، فتح وظفر یا اور اسی قسم کے کارنامے عید کے واسطے کئے گئے، بعض عیدیں موسمی تغیرات کی بنا پر بھی معین کی گئی ہیں، جیسے نوروز، بڑا دن، وغیرہ، جو محض عیش پرستی، تماشہ بینی اور لہو ولعب کے واسطے بطور مرکز کام آتی ہیں۔

اسلام کے نزدیک ''توحید'' کا سب سے بڑا دشمن وہ کام ہے جس میں ذات باری کے علاوہ اور کوئی شخصیت کسی نوع سے کام کرتی ہو، جس میں غیر کی آمیزش ہو، اسی واسطے اس میں نہ کسی بزرگ یا نبی کے نام کی عید رکھی گئی ہے، نہ اس میں عیش پرستی کا کوئی سامان باقی رکھا گیا اور نہ خوشگوار موسم کے لحاظ سے کوئی ایسی عید منائی گئی، جو محض سرور وطرب، کھیل کود پر مبنی ہو، جس میں کوئی قومی وملی مفاد نہ ہو۔

اسلام نے ہر سال دو عیدیں مقرر کر کے مسلمانوں کے واسطے بہترین طریقہ عید منانے کا جاری کیا، یہ وہ اعلی طریقہ ہے جو کسی دوسرے مذہب میں نہیں پایا جاتا۔

مسلمانوں نے جہاں دوسری قوموں کے عقائد وخیالات، عبادات ومعاملات اپنے اندر آہستہ آہستہ داخل کئے وہاں عیدوں میں بھی ان کی تقلید کی، اور جس جگہ رہے سہے آباد ہوئے جن لوگوں سے میل جول بڑھا ان کی تمام رسمیں اپنے واسطے پسند کرتے گئے، سنت کو ترک کیا، اور بدعت کے شیدائی بن گئے، آج مسلمانوں کی بیشتر تقریبیں کفار ومشرکین کی نقل ہیں، اس طریقہ کار سے یہ لوگ اسلام کے مقاصد سے کسی قدر دور جا پڑے ہیں۔

جس طرح دوسری قومیں مسلمانوں کی عیدوں میں شریک ہونا اپنے واسطے باعث ننگ وعار اور تباہی وبربادی خیال کرتی ہیں، اسی طرح مسلمانوں کو بھی غیروں کی عیدیں منانا، ان میں کسی طرح شریک ہونا، یا کم از کم کفار اور مشرکین کو ان کی عیدوں میں ڈالیاں پیش کرنا، تحفہ تحائف دینا حرام وممنوع ہے، لیکن مسلمان یہ سب باتیں تملق وچاپلوسی اور غیر اقوام کی خوشنودی حاصل کرنے کے واسطے کرتے ہیں اور اللہ ورسول کی خوشی کا مطلق لحاظ نہیں کرتے، غرض کفار سے اتحاد والفت بڑھا کر ان کی رسوم میں شرکت کرتے ہیں جو بحکم قرآن عزیز ﴿ومن يتولهم منكم فإنه منهم﴾ (جو ان کفار واہل کتاب سے تولی یعنی الفت واتحاد پیدا کرے گا وہ ان میں سے ہو جائے گا)، ﴿ولا تركنوا إلى الذين ظلموا فتمسكم النار﴾ (اور ظالموں کی طرف مت جھکو ورنہ تمہیں آگ کا عذاب پہنچے گا) ممنوع اور باعث عذاب ہے، ایسا کرنے سے انسان ان ہی لوگوں میں شامل کیا جاتا ہے، اسے آنحضرت ﷺ نے بایں الفاظ بیان فرمایا: "من تشبه بقوم فهو منهم" (جو کسی قوم کی وضع وقطع اور اخلاق وعادات کی پیروی کرے وہ ان کی جماعت میں شامل ہو جاتا ہے۔)

نماز جیسے اسلامی اہم فریضہ کے واسطے جو روزانہ پانچ وقت ادا کیا جاتا ہے ہفتہ وار عید ''جمعہ'' قرار پائی، اس روز ظہر کی جگہ نماز

جمعہ، عید کی طرح دو رکعت رکھی گئی، اگر چہ عید کا اجتماع بڑا اور عام ہے مگر جمعہ کے واسطے بھی اجتماع کا لحاظ رکھا گیا، اس کے واسطے تبدیل ہیئت، غسل ولباس اور خوشبو استعمال کرنے کا حکم ہوا تا کہ اجتماعی ہیئت میں عمدگی، رونق اور صفائی ظاہر ہو، ہفتہ کے کل کاموں کا اس روز جائزہ لیا جائے، خطبہ (یعنی وعظ وتقریر) جو ہر اجتماع کے واسطے روح رواں اور ضروری شئی ہے، جمعہ کے لیے مقرر فرمایا گیا، اس کے سننے کی سخت تاکید فرمائی گئی، اور خطبہ کے درمیان کسی قسم کی گفتگو حتی کہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر سامعین پر حرام کردیا گیا۔

افسوس مسلمانوں نے ''جمعہ'' کی اہمیت کا کچھ خیال نہ کیا، آج ہر ایک جگہ جمعہ تو ادا کرنے لگے، بمشکل کوئی محلّہ ایسا ہوگا جہاں جمعہ قائم نہ کیا جاتا ہو، بلکہ جس مسجد میں پنج وقتہ نماز کا انتظام نہیں وہاں بھی جمعہ کا اہتمام ہوتا ہے، لیکن ''خطبہ'' جیسے اہم اور مفید کام کو رسم پرستی نے کہاں سے کہاں پہنچا دیا، یہ دراصل پر مغز تقریر، بہترین وعظ ونصیحت اور ضروری احکام کی تعلیم تھی، اس میں ہفتہ بھر کے کاموں کا جائزہ لیا جاتا، مسلمانوں کی دینی ودنیاوی اصلاح وترقی، معاش ومعاد کی درستی اور اہم واقعات کا ذکر، دینی جوش کا احیاء، اتحاد والفت کی رغبت، نفاق وشقاق سے نفرت، اور اسی قسم کے دوسرے ضروری کام انجام پاتے، آئندہ ہفتہ کے مسائل بتائے جاتے مگر اس کی جگہ ''خربی خطبہ خوانی'' کی بوسیدہ رسم اب تک جاری ہے، جس کو حاضرین اور سامعین کا بیشتر حصہ نہیں سمجھتا، نہ اس سے خطیب کی خوش الحانی کے سوا کچھ اور فائدہ معلوم ہوتا ہے، خود خطبہ پڑھنے والوں کی جماعت میں بہت کم ایسے ہوں گے جو خطبہ کے معنی، اور اس کے صحت وسقم سے واقف ہوں۔

نماز کے بعد اسلام کا دوسرا فرض ''زکوۃ'' ہے، لیکن اس کا کوئی ایسا وقت معین نہیں ہوسکتا جس میں تمام مسلمان متفق ہوجائیں، یہ نصاب اس کے مخصوص وقت پر واجب الادا ہے، اس لیے ''زکوۃ'' کے متعلق کوئی عید نہیں رکھی گئی۔

روزہ اور حج دو فرض ایسے جس میں مسلمانانِ عالم زمان ومکان کی حیثیت سے متفق ہوسکتے ہیں، لہذا ان کی عیدیں مقرر کی گئیں، چونکہ یہ سالانہ عیدیں ہیں اس لیے ان کی خاص اہمیت کا لحاظ رکھا گیا۔

روزہ سال بھر کے تمام اسلامی فرائض کے لیے بمنزلہ معیار اور سالانہ امتحان مقرر کیا گیا، اس میں ریاضت نفس کا عمدہ ترین طریقہ بتایا گیا، رہبانیت اور جوگ میں جو خلاف عقل وفطرت نفس کشی ہے اس کے بالمقابل صحیح ریاضت بتائی گئی، یہی وہ تعلیم ہے کہ اگر کوئی شخص اچھی طرح سمجھ کر اس پر عمل کرے تو صفائی قلب، زبان اور تمام اعضاء کی حفاظت وضبط کی قوت حاصل کرسکتا ہے، نافرمان اطاعت شعار، اور گناہ گار نیک ومخلص بن سکتا ہے، ایسی عظیم الشان ریاضت کے بعد ''عید الفطر'' مقرر ہوئی، اور اس روز صدقۂ فطر ہر ایک مسلمان، غریب وامیر، چھوٹے بڑے سب پر فرض کردیا گیا تا کہ غرباء اور مساکین، یتیموں اور محتاجوں کو بھی عید منانے کا موقع حاصل ہو اور خاص کر ایسے تہوار کے روز یہ لوگ مانگنے سے بے نیاز ہوجائیں۔

آیئے! تھوڑی دیر کے لیے اس مسئلہ پر غور کیجئے کہ مسلمانوں نے ''روزہ'' کی کیا قدر کی؟ اور عام طور پر اس فرض کو کس طرح انجام دیا؟ پھر عید الفطر اور صدقۂ فطر پر بھی ایک نظر ڈالئے اس سے جو شرع شریف کا مقصود تھا وہ کس حد تک پورا کیا گیا؟ رفتہ رفتہ زمانہ کے تغیرات کے ساتھ روزہ رکھنا عیب شمار ہونے لگا ہے، اگر یہی صورت رہی تو روزہ رکھنے والا آئندہ شرمانے لگے گا، جس طرح پہلے کبھی روزہ خور شرماتا اور چھپا کرتا تھا، بازار میں کھانا پینا عام ہوچکا ہے، تمام اسلامی وغیر اسلامی حکومتوں میں اس کا

کوئی لحاظ نہیں کیا جاتا بلکہ ایک قسم کی آزادی شمار کی جاتی ہے۔

پھر جو لوگ روزہ رکھتے ہیں وہ نہ نماز کے پابند نہ روزہ کا احترام کرتے ہیں، غیبت، جھوٹ، گالی، خیانت اور سب ناجائز کام کرتے ہیں، صرف کھانے پینے سے پرہیز کر رکھا ہے، ورنہ ہر قسم کے ناجائز معاملات، سود کا لین دین انہیں روا ہے، ان کے نزدیک ان کاموں سے نہ روزہ میں کوئی خلل آتا ہے نہ کوئی نقصان، کیا یہی اسلامی روزہ ہے؟ اور کیا اسی قسم کے روزہ سے اتقاء ضبط نفس کا سبق حاصل ہوسکتا ہے؟ ہرگز نہیں یہ ایک رسمی روزہ ہے، صدقۂ فطر کی، جس کا وقت نماز عید سے پہلے مقرر ہے، کوئی پرواہ نہیں کی جاتی نہ اسے باقاعدہ طور پر خرچ کیا جاتا ہے کہ ضرورت منداور سائلین کو پورا فائدہ پہنچے، بلکہ متفرق طور پر تقسیم کر دیا جاتا ہے جس سے مقصود فوت ہوجاتا ہے، بہت سے صدقۂ فطر دیتے ہی نہیں، بہت سے نماز کے بعد دیتے ہیں جس کی حیثیت معمولی خیرات سے زیادہ نہیں، اور ایسا کرنے والا صدقۂ فطر کے ثواب سے محروم رہتا ہے۔

اسلام کا دوسرا سالانہ فرض حج ہے جس میں تمام عالم کے مسلمان یکجا جمع ہوتے ہیں، شرع نے حج کے ختم پر عید مقرر کی جسے عیدالاضحیٰ یا بقرعید کہتے ہیں۔

روزہ بدنی عبادت ہے تو حج مالی و بدنی دونوں عبادتوں کا مجموعہ ہے، دور دراز سے لوگ ہر قسم کی مشکلات برداشت کر کے مرکز ''توحید'' مکہ مکرمہ میں جمع ہوتے ہیں اور اپنے درمیان اخلاص، اور مال و جان کو صحیح موقع پر خرچ کرنے کی عادت ڈالتے اور اس کا طریقہ سیکھتے ہیں، اس کام کا آخری سلسلہ قربانی ہے جو دسویں تاریخ کو کی جاتی ہے اس عمل کی غرض وغایت واضح ہے، بندہ زبان سے اقرار، دل سے یہ طے کر کے مناسک حج ادا کرتا ہے کہ مجھے جاں نثاری کا شرف حاصل ہوگیا، میں اب مدت العمر کسی طرح اس معاہدہ سے روگردانی نہ کروں گا، اور زندگی کے باقی ایام کو اللہ تعالی کی اطاعت و فرماں برداری میں صرف کروں گا۔

ظاہر ہے کہ ایسے اہم فرض کے انجام دینے پر اللہ تعالی کی طرف سے جو صلہ ملے وہ انتہائی اچھا ہوگا اور یہ اسلامی تعلیم گاہ کی اعلی ڈگری ہوگی جسے بندہ اپنی زندگی میں حاصل کر سکتا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہے: ﴿ومن دخله كان آمنا .. الآية﴾ (جو خانۂ کعبہ پہنچ گیا ہر قسم کے خوف سے امن پا چکا) اس کی توضیح آنحضرت ﷺ نے یوں فرمائی: "من حج ولم يرفث ولم يفسق رجع كيوم ولدته أمه" وفي لفظ "الحج المبرور ليس له جزاء إلا الجنة ..الحديث" جس نے ایسا حج کیا جس میں نہ فسق وفجور ہو نہ شہوت کی باتیں تو ایسا پاک ہوجاتا ہے جیسے ماں کے پیٹ سے ابھی نکلا، دوسری حدیث کے الفاظ یہ ہیں: حج مقبول کا بجز جنت اور کوئی بدلہ نہیں ہوسکتا''۔ حج سے واپس ہونے کے بعد حاجی کی زندگی کیسی ہونی چاہئے؟ ایسا نہ ہو کہ وہاں کا سب عہد و اقرار، قربانی و عبادت رائیگاں جائے، وہ ہمیشہ کے واسطے پھر مجرم و نافرمان بن جائے، اس لیے ہر حاجی کو ازبس ضروری ہے کہ شرع کا پورا پورا پابند ہو، ہر قول و فعل میں سنت نبویہ کا خیال رکھے، اور صلاح و تقوی، ہدایت واستقامت کی زندگی گزارے، مکہ مکرمہ میں حاضر ہونے والے حجاج کی خوشی میں اللہ عزوجل نے تمام مسلمانوں کو بھی شریک فرمالیا، اور یہ کام عید کے ذریعہ مقرر کیا، جس میں حج کی عبادتوں کی جگہ عید کی دو رکعت رکھی گئی، اور قربانی کی سنت عام کر دی تا کہ سب مسلمان اس نعمت سے متمتع ہوسکیں اور اپنی زندگی کی غرض وغایت اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ تمام تر زندگی قربانی و ایثار کا نام ہے، اسی سے ابدی زندگی حاصل ہوسکتی ہے اور یہی ہر قسم کی ترقی و فتح کا ذریعہ ہے، اسلامی عید کا منشا محض خوشی اور عیش و نشاط کا اظہار، تماشہ بینی نہیں،

اسی واسطے عیدین میں قومی اصلاح، قلب کی صفائی، مقصد زندگی کو پیش نظر رکھنے کی تلقین کی گئی، اور یہ عید کا اہم ترین جزء قرار دیا گیا، اس مقصود کے حاصل کرنے کے واسطے ''نماز عید''، پھر اس کے بعد ''خطبہ'' مسنون ہوا، جو ہر ایک اجتماع کے واسطے لازمی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مسلمانوں کا کوئی مجمع محض لہو ولعب، خورد ونوش، سیر وتفریح کے واسطے نہیں ہوسکتا، ان کے ہر ایک مجمع میں اخلاق وعادات کی اصلاح، طہارت قلب ورشد کا درس ضروری ہے، اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ کبھی غفلت اور بے پرواہی نہیں برتنی چاہئے، ہمیشہ وہ باتیں ملحوظ رہیں جن کی بنا پر یہ خوشی حاصل ہوئی، اور وہ اصولی احکام مضبوط پکڑے جائیں جن کی بدولت یہ خوش حالی قائم رہ سکتی ہے، اگر ایسا نہ کیا گیا تو خوشی فنا ہوجائے گی، قوت باقی نہ رہے گی، آپس کی ہمدردی والفت مفقود ہوجائے گی، عزت کے بعد ذلت، اقبال کے بعد ادبار کے گڑھے میں جاپڑیں گے۔

عید کی غرض وغایت یہ سب کچھ تھی جس کے واسطے دو دن مقرر کئے گئے جن میں خوشی کے ساتھ عبرت وموعظت، سرور وانبساط کے ساتھ ایثار وقربانی، تقوی وارشاد کی تعلیم دی گئی تھی۔

اب غور کیجئے کہ مسلمانوں نے کیا فائدہ حاصل کیا، شرع کے مقاصد کہاں تک ملحوظ رکھے، آپس کی ہمدردی، تنظیم قوم، اصلاح حال کا فرض کہاں تک انجام دے سکے، اس کا جواب مسلمانوں کی موجودہ زندگی خود بخود دے رہی ہے، موجودہ حالات میں کیا ہم کبھی عید کے دن اسلام کی موجودہ اور گذشتہ حالت کا موازنہ کرنے کی تکلیف برداشت کرتے ہیں، تنزل وانحطاط، دینی اور دنیوی ابتری پر کچھ خیال کرتے ہیں؟ اس کے واسطے کوئی عملی قدم بڑھاتے ہیں، غرباء ومساکین اور یتامی کی پرورش کا کوئی سامان فراہم کرتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے واسطے اپنے فضول مصارف سے کچھ پس انداز کرنے کی فکر کرتے ہیں۔

اس مقام پر ایک مسئلہ قابل غور ہے، اسے اچھی طرح سمجھنا چاہئے، عیدین کے علاوہ مسلمانوں کے یہاں دوسرے ممالک کے عادات ورسوم کی تقلید میں بہت سی نئی عیدیں مقرر ہوچکی ہیں، جن کی اصلیت شرع شریف سے ثابت نہیں اور ان سے بجائے نفع نقصان ہی نقصان حاصل ہوتا ہے۔

مثلا محرم، عید میلاد ورجب، شب برات، اور اسی قسم کے بہت سے میلے اور عرس جو کسی مزار یا پیر وغیرہ کے نام سے معین ہے، جہاں لکھوکھا آدمی دور دور سے پہنچتے ہیں، چراغاں کئے جاتے ہیں، آتش بازی وغیرہ فضولیات عمل میں آتی ہیں، مصارف سفر اور دیگر مصارف کا بڑا حصہ غیر اقوام کے ہاتھ میں پہنچتا ہے، یہ تمام کام شرعا حرام وممنوع ہیں، یا ان میں شرک وبدعت کے آثار پائے جاتے ہیں جو انتہائی ضلالت وگمراہی ہیں، ان برائیوں کے علاوہ اسلامی عید کو دو دو کی جگہ سینکڑوں میں تقسیم کرکے شریعت کے مقاصد سے بہت دور جاپڑے۔

بطور مثال مجالس میلاد ہی لے لیجئے، جو ماہ ربیع الاول میں منعقد کی جاتی ہیں، اگر ان سے مقصود اعلان حق، آنحضرت ﷺ کی سیرت پاک کا اظہار، آپ کے طریقہ پر عمل اور استقامت، دین کے نشر وتبلیغ کے راستے بتانا، اور اس کے واسطے مسلمانوں کو تیار کرنا ہے تو یقیناً یہ بہترین عمل ہے، مگر معاملہ بالکل برعکس ہے، نہ اس اسلام کی تبلیغ کی جاتی ہے نہ سیرت پر عمل کرنے کی ترغیب دی جاتی ہے بلکہ کچھ فضائل ومعجزات اور ولادت وغیرہ کا ذکر کرکے مصارف واسراف کا سلسلہ قائم کیا جاتا ہے، روشنی ہوتی ہے، جو ہنود اور آتش پرست اقوام کی خاص رسم ہے، پھر چند دنوں کے بعد سب کچھ ختم ہوجاتا ہے، ورنہ بتائیے کتنے بدکار مجالس میلاد کے

ذریعہ اپنی بدی سے توبہ کرتے ہیں، کتنے بے نمازی نماز پڑھنے لگ جاتے ہیں، کتنے غیر متشرع شرع کے پابند بن جاتے ہیں، کس قدر دینی قوت ازسرنو پیدا ہوتی ہے، اوران تمام مصارف کا کیا نتیجہ برآمد ہوتا ہے؟

حقیقت حال یہ ہے کہ سنت کے خلاف جو کام بھی کیا جائے گا، اس سے بجائے نفع نقصان ہی ہوگا، بدعت سنت کی جگہ پر قائم ہوجائے گی، رحمت الٰہی مفقود ہوگی، ایسا کیوں نہ ہو؟ جولوگ ان مجالس میں سیرت پاک کی تعلیم دیتے ہیں، وہ خود کب سیرت پاک کے پابند ہیں؟ دور کیوں جائیں ان کا یہ عمل ''مجلس میلاد'' کہاں تک آنحضرت ﷺ کے طرز عمل کے موافق ہے؟ ذرا انصاف سے ملاحظہ فرمایئے آنحضرت ﷺ نے اپنی تمام عمر میں کبھی ایسی مجلس نہیں منعقد فرمائی، آپ کے سب سے زیادہ جاں نثار، اسلام کی تبلیغ واشاعت کے شیدائی، آپ کی سیرت پاک پر پوری طرح عمل کرنے والے خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم کو یہ طریق کار معلوم ہوا، اوروہ باوجودیکہ عیسائیوں کوعید میلاد کرتے ہوئے دیکھتے اور سنتے تھے، مگرانہوں نے آپ کی عید میلاد قائم نہ کی، نہ انہیں یہ غیرت وحمیت آئی کہ غیر اقوام اپنے بزرگوں کی ولادت ووفات کے دن خاص اہتمام کیا کرتے ہیں، ان کے کارنامے ظاہر کرکے ان کے احترام کا طریقہ جاری کرتے ہیں، ہم بھی ایسا ہی کریں، افسوس! مسلمانوں نے غلط راہ عمل اختیار کرکے کتنا بڑا دھوکا کھایا ہے، مجلس میلاد کے نام سے اسلام میں پانچ سو برس تک جوانتہائی عروج وترقی کا زمانہ ہے کوئی مجلس نہ تھی، تنزل وانحطاط کے زمانہ میں جس طرح دنیا کا عام دستور ہے کہ مغلوب غالب کے ہر رسم ورواج کووقعت کی نگاہ سے دیکھتا اوراس پر عمل کرتا غنیمت شمار کرتا، یہ طریقہ مسلمانوں نے عیسائیوں سے لیا اور جس قدر مسلمانوں کے تنزل کا سلسلہ بڑھتا گیا ایسی رسمیں عام وترقی پذیر ہوتی گئیں، پھر اس اسلامی اصول پر نظر ڈالئے جس نے شخصیت پرستی کا قلع قمع کردیا، اس کے ہوتے ہوئے آنحضرت ﷺ کی ولادت یا وفات کا دن منانا کیوں کر شخصیت پرستی سے خارج ہوسکتا تھا، اس لیے نہ آپ نے اسے جاری فرمایا نہ صحابہ کرام نے۔

کاش مسلمان اس قسم کے مجالس میں جو کچھ صرف کیا کرتے ہیں معقول طور پر جمع کرکے دینی اعلیٰ تعلیم کا بندوبست اور اسلام کی تبلیغ واشاعت کا سامان فراہم کرتے کیوں کہ آئے دن بہت سے مسلمان فقروفاقہ سے تنگ آکر عیسائی مذہب کے آغوش میں چلے جاتے ہیں، اور بہت سے عیسائی ہنود باقاعدہ انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اسلام کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔

برادران دین! اگر آپ اپنے تن میں دل، اور دل میں ایمان رکھتے ہیں، تو خدا کے لیے اٹھئے اور جلدی اٹھئے، رسوم باطلہ، بدعات ومحدثات اور تمام غلط کاموں سے خود توبہ کیجئے اور دوسروں کواس کی تلقین وتعلیم دیجئے، مسلمانوں کی دینی ودنیاوی ترقی اسی میں ہے کہ وہ صحیح راستہ پر لگ جائیں، سنت رسول اللہ ﷺ پر ثابت قدم ہوجائیں، آپ کے قول وفعل پر سچے دل سے قربان ہوں، فضول وناروا اخلاق، عادات اور معاملات بالکل ترک کردیں، ہر کام آپ کی سنت کی تلاش کریں، جہاں آپ کے قدم مبارک کا نشان نہ ہو وہ راستہ پرخطر سمجھیں، عید وتہوار میں وہی صراط مستقیم پکڑلیں جس پر آپ اور خلفاء راشدین چلے ہیں، اپنی طرف سے کسی قسم کی زیادتی وکمی نہ کریں، اسراف اور فضول خرچی سے باز آئیں، اسلام کے فرائض کونہایت مضبوطی سے پکڑلیں، کتاب اللہ کی تعلیم اوراسوۂ رسول پر عمل کرکے اخوت وہمدردی، اتحاد والفت کا رشتہ قائم کریں، شیخ سعدی نے کیا خوب کہا ہے:

خلاف پیمبر کسے رہ گزید   کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید

☆☆☆

(ماہنامہ ''اسلام''، دہلی)

فیصلہ بابری مسجد کا

مولانا محمد ابوالقاسم فاروقی

وہ لمحہ جس کی آمد کے تصور نے پورے ہندوستان میں خوف ودہشت کا ماحول پیدا کردیا تھا کہ فرقہ واریت کا دیو پھر کہیں رقص نہ کرنے لگے، ملک کی سالمیت دونیم نہ ہوجائے، فسطائی قوتوں کو کھیلنے کا موقع نہ مل جائے، وہ لمحہ آیا اور گذر بھی گیا، اندیشے بے بنیاد ثابت ہوئے، انتظامیہ، حکمرانوں، سیاست دانوں اور عوام نے چین کی سانس لی۔

بابری مسجد اور رام جنم بھومی کا وہ تاریخی فیصلہ آ گیا، جس کی گتھیاں سلجھانے میں نصف صدی سے زیادہ وقت لگ گیا، یقیناً ہائی کورٹ کے تینوں ججوں کی زندگی کا یہ سب سے مشکل مقدمہ رہا ہوگا، جس میں انسانی ضمیر، جمہوریت کے اصول، ملکی سالمیت سب کچھ داؤں پر لگا ہوا تھا، فریق دو تھے مسلمان اور ہندو، ایک کے پاس ثبوت وشواہد، دلائل سب کچھ تھے، لیکن وہ کلی طور پر مالکانہ حقوق سے محروم ہوگیا، دوسرے کے پاس دعوی تھا، طاقت تھی، چالیں تھیں اور ثبوت وشواہد کی جگہ آستھا اور عقیدہ تھا، لیکن اس آستھا نے وہ کام کیا جو بابری مسجد کی ساڑھے پانچ سو سالہ قدیم عمارت نہ کرسکی۔

ججوں کے لیے یقیناً فیصلہ کرنا دشوار تھا، کانٹوں بھری راہ سے گذر کر انہوں نے ایک ایسا فیصلہ دیا جو قابل قبول ہونے کا امکان رکھتا ہے، قانون قاعدے، جمہوری اصول ضرور مجروح ہوئے، لیکن ملک کی سالمیت واتحاد کو دھکا نہ لگا۔

فیصلے کی نوعیت:

فیصلے کی نوعیت کو کیا نام دیا جائے، یہ بتلانا بڑا مشکل ہے، اسے قانونی تو اس لیے کہا جاسکتا ہے کہ فیصل اور حکم عدلیہ کے تجربہ کار جج تھے، جن کی نیتوں پر شک کرنا اور انہیں اقلیتی واکثریتی میزان پر تولنا خلاف عقل ودانش اور عدلیہ پر عدم اعتماد ہے، پھر بھی یہ حیرت انگیز امر ہے کہ انہوں نے ثبوت وشواہد کو تسلیم کرتے ہوئے عقیدہ اور آستھا کو ترجیح دی، فیصلے میں جو قانونی سقم اور خامیاں ہیں اسے تو قانون داں ہی بتلا سکتے ہیں، لیکن ملک کا ایک عام شہری بھی یہ جانتا ہے کہ قانون میں جذبات، آستھا اور مذہبی عقیدہ کی کم ہی گنجائش ہے۔

اسے عدلیہ کا ایک سیاسی فیصلہ بھی کہا جاسکتا ہے، کیونکہ ججوں کی دوررس نگاہوں نے یہ بھانپ لیا تھا کہ حق بحق دار رسید کے تحت فیصلہ سے انتہا پسند اور فسطائی طاقتوں کا ناگ پورے ملک کو نگل لے گا، اور اس فیصلہ کا نفاذ کون کرے گا، نظم ونسق کو کون سنبھالے گا، اس لیے ڈپلومیسی کا تقاضا یہی ہے، کسی فریق کو محروم نہ کرو اور دو تہائی ہندوؤں کو ایک تہائی مسلمانوں کو دے دو، رند کے رند رہے ہاتھ سے جنت بھی نہ گئی۔

اسے پنچایتی فیصلہ بھی کہا جاسکتا ہے، یہ بات واضح رہے کہ دونوں فریق اپنے دعووں سے ایک انچ بھی ہٹنے کو تیار نہیں ہوں گے، مسلمانوں کا یہ شرعی موقف ہے کہ صحیح اور جائز جگہ پر مسجد بن گئی تو ہمیشہ کے لئے مسجد ہی رہے گی، اس کے رقبے میں کمی وبیشی نہیں کی جاسکتی ہے اور نہ اسے منہدم ہی کیا جاسکتا ہے، بابری مسجد کو انتہا پسند فسطائی طاقتوں نے اگرچہ شہید کردیا ہو لیکن ایک ایسے جمہوری ملک میں جہاں ہر مذہب سے تعلق رکھنے والوں کو یکساں بنیادی حقوق حاصل ہیں، مسجد کی زمین پر مکمل مالکانہ حق کا دعویٰ تو نہیں ختم ہوگا، دوسری طرف ہندوؤں کا دعویٰ ہے کہ یہ جگہ دراصل رام جنم بھومی ہے اور ہمیں اس پر عظیم الشان مندر تعمیر کرنا ہے اور یہ اسی وقت ممکن ہوگا جب مسجد کی پوری زمین پر انہیں مالکانہ حق حاصل ہوجائے، بقول فاضل جج ایس یو خان کے یہ حقیقت میں بارودی سرنگوں کے صاف کرنے کا کام تھا، مذکورہ مقدمہ میں ہارنے والا فریق یقیناً عدالت عالیہ (سپریم کورٹ) کا دروازہ کھٹکھٹائے گا اور ایک طویل عرصہ بعد پھر یہی صورت حال پیش آئے گی، اس فیصلہ کے ذریعہ انہوں نے ایک راہ دکھلادی ہے جس پر چل کر دونوں فریق اگر چاہیں گے تو مندر بھی بن جائے گا اور مسجد بھی۔

فیصلے کے مضمرات:

ہائی کورٹ کا یہ فیصلہ اگرچہ آخری نہیں ہے، اس کے بعد سپریم کورٹ کی منزل ہے، لیکن اس کے مضمرات سے مستقبل میں پورا ملک متاثر ہوسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ پرنٹ میڈیا میں اب تک اس پر بحث جاری ہے، دانشور، صحافی اور ماہر قانون حضرات اس کی تعبیرات اور تشریحات میں مصروف ہیں۔

مسلمانوں کے حق میں اس اعتبار سے یہ مثبت فیصلہ ہے کہ عدالت نے جزئی طور پر سہی مسجد کو نہ صرف تسلیم کیا ہے بلکہ ایک جج نے یہ اعتراف کیا ہے کہ بابری مسجد کسی مندر کو توڑ کر نہیں بنائی گئی ہے۔ ججوں نے فیصلے کی بنیاد آستھا اور عقیدہ پر رکھ کر قانون میں بے حد لچک پیدا کردی ہے، فیصلے کی اس شق سے مسلمانوں کا اپنی عبادت گاہوں کے لیے عدم تحفظ کا احساس پیدا ہونا لازمی اور فطری بات ہے۔ ہندوستان کے طول وعرض میں مسلم سلاطین کی تعمیر کی ہوئی ہزاروں مسجدیں ہیں، آستھا کو بنیاد بنا کر انتہا پسند ہندو تنظیموں کو انہیں ہڑپنا آسان ہوجائے گا، کیونکہ ان کے پاس بابری مسجد رام جنم بھومی کی نظیر موجود ہوگی۔

ایک ہی قسم کے ثبوت وشواہد سے متضاد رائے قائم کرنا بھی حیرت انگیز ہے، ان متضاد آرا اور رویے سے فسطائی طاقتوں کو یقیناً شہ ملے گی، جو جمہوری اقدار کے لیے خطرناک ہوگا، آزادی کے بعد ہندوستان دنیا کا عظیم ترین سیکولر اسٹیٹ بن کر ابھرا ہے، سیکولر اور غیر سیکولر طاقتوں کی کشمکش سے ملک کو ایسا نقصان اٹھانا پڑسکتا ہے جو ناقابل تلافی ہوگا اور ممکن ہے کہ جواہر لال نہرو اور دیگر قائدین کی قربانیاں رائیگاں جائیں اور اڈوانی اور مودی کے ہندو اسٹیٹ کے نظریے کو لباس مل جائے۔

عام طور پر لوگوں کے ذہنوں میں یہ سوال کلبلاتا ہے کہ ہندوستان میں ہزاروں مسجدیں ہیں، ہر محلّہ میں دو ایک مسجد ملے گی اور رام جنم بھومی ایک ہی ہے، اگر مسلمان بابری مسجد سے دست بردار ہو جائیں یا منتقلی قبول کرلیں تو کیا حرج ہے، مسلمانوں کی اس فراخ دلانہ عنایت پر ہندو قوم نہ صرف احسان مند ہوگی بلکہ صدیوں سے چلی آرہی منافرت بھی ختم ہوجائے گی اور ہندو قوم کی طرف سے انہیں حب الوطنی کا تمغہ مل جائے گا۔

یہاں بات ایک مسجد کی نہیں ہے اور نہ انا کا مسئلہ ہے، مسلمانوں نے نہ جانے کتنے عروج وزوال دیکھے، اندلس مٹ گیا اور اس کے ساتھ لاتعداد مساجد کا نام ونشان مٹ گیا، آزادی کے بعد پنجاب میں ایک ہزار سے زائد مسجدیں ہیں جو بھینس کے طویلوں اور خنزیر کے باڑوں میں تبدیل ہوچکی ہیں، اب وہاں مسلمان ہی نہیں ہیں کہ عبادت گاہیں آباد ہوتیں۔

حقیقت یہ ہے کہ بابری مسجد جمہوری قدروں کی علامت تھی، اس کا انہدام جمہوری اقدار کا انہدام تھا، اس زمین پر دعوی سے دست برداری بقیہ تاریخی اور غیر تاریخی مساجد کے لیے خطرے کی گھنٹی ہوگی۔

اب مسلمان کیا کریں! فیصلہ آنے کے بعد ہندوستانی مسلمان شدید ذہنی کش مکش کا شکار ہوگیا ہے، کچھ زعما چاہتے ہیں کہ ہائی کورٹ کا فیصلہ مان لینا چاہئے، سپریم کورٹ میں قضیہ گیا تو پھر وہی کارروائیاں ہوں گی جو ہائی کورٹ میں ہوئی ہیں اور ممکن ہے فیصلہ میں پھر نصف صدی لگ جائے اور سپریم کورٹ نے ہائی کورٹ کے فیصلہ کی تائید کردی یا مسلمانوں کے دعوی کو بالکلیہ خارج کردیا تب ہمارا موقف کیا ہوگا، دوسرے فریق کا خیال ہے کہ اندیشوں کی وجہ سے اپنے حق سے دست برداری نادانی ہے، عدلیہ پر مکمل اعتماد کرنا چاہئے، مقدمہ بازی میں ایک فریق جیتے گا تو دوسرا ہارے گا، کم از کم ضمیر تو مطمئن ہوگا کہ ہم جدوجہد کو آخری حد تک لے گئے۔

سپریم کورٹ میں اپیل ضرور کرنا چاہئے، لیکن آپسی انتشار اور اختلافات کو پہلے ختم کریں، الزام تراشی اور بیان بازی سے بچتے ہوئے ٹھوس لائحہ عمل بنانا چاہئے، مقدمہ لڑنے کے لیے مسلم قانون دانوں کی پوری ٹیم ہونا چاہئے، فیصلہ جو کچھ ہو ہمیں نہ مایوس ہونا چاہئے اور نہ ہمت ہارنا چاہئے۔ “تلك الأيام نداولها بين الناس”، محاسبہ عمل، کشمکش حیات اور خون جگر زندہ قوموں کا امتیاز ہے۔

☆☆☆

آداب سفر حج

مولانا عبدالمتین مدنی/بنارس

حج اسلام کے ارکان خمسہ میں سے ایک ہے جو صاحب استطاعت پر فرض ہے، اس فریضہ کی ادائیگی کے لیے عازم حج بیت اللہ کا سفر کرتا ہے، اس سفر کے چند آداب اور احکام ہیں، جن کو اختیار کرنا چاہئے، اس سے قطع نظر کہ ان کا شرعی حکم کیا ہے، واجب یا مستحب ومسنون۔

ذیل میں یہ آداب اختصار کے ساتھ لکھے جارہے ہیں:

مشورہ: جس شخص کا سفر حج پر جانے کا ارادہ ہو اسے چاہئے کہ قطعی فیصلہ لینے سے پہلے کسی تجربہ کار، متقی اور صائب الرائے شخص سے اس سلسلہ میں مشورہ کرے، اس لیے کہ سفر حج سے متعلق بہت سی باتیں مشورہ طلب ہوتی ہیں اور اللہ تعالی نے اپنے رسول کو مشورہ کرنے کا حکم دیا تھا: ﴿وشاورهم في الأمر﴾، اور اللہ کے رسول صحابہ کرام سے مختلف امور میں مشورہ کیا کرتے تھے۔

استخارہ: مشورہ کرنے کے بعد اگر وہ استخارہ کرنے کی ضرورت محسوس کرتا ہو تو استخارہ کرے، یہ ایک بہترین شرعی طریقہ ہے، دو رکعت نماز پڑھے، پہلی رکعت میں سورۃ الکافرون اور دوسری میں سورہ اخلاص پڑھے، نماز کے بعد استخارہ کی دعا پڑھے، جو دعا کی کتابوں میں لکھی ہوئی ہے، ان شاء اللہ اس کے حق میں جو بات بہتر ہوگی، اللہ اس کے دل میں ڈال دے گا، پھر اس پر عمل کرے، مشورہ کی طرح استخارہ کی بھی بڑی اہمیت ہے، صحابی کہتے ہیں: "كان رسول الله ﷺ يعلمنا الاستخارة كما يعلمنا سورة من القرآن" اللہ کے رسول ﷺ جس طرح ہمیں قرآن کی کوئی سورت سکھلاتے اسی طرح استخارہ بھی سکھلاتے تھے۔

توبہ نصوح: اگر اس نے حج پر جانے کا فیصلہ کرلیا تو اب وہ سچے دل سے توبہ کرے، تمام گناہوں سے باز آجائے، بندوں کے حقوق ان کو لوٹادے، اگر کسی جائز وجہ سے کوئی حق لوٹانے سے قاصر ہے تو صاحب حق سے معافی کرالے اور اس کو راضی کرنے کی کوشش کرے اور اگر وہ حق لوٹانا چاہتا ہے لیکن کسی معقول وجہ سے صاحب حق تک اسے پہنچانے سے قاصر ہے تو کسی اور امانت دار شخص کے حوالہ کرجائے جو اس تک پہنچادے۔

علماء لکھتے ہیں کہ اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس نیت سے صدقہ کردے کہ اگر حقدار بعد میں آگیا اور اس نے اپنے حق کا مطالبہ کیا تو وہ اس کو ادا کردے گا، الحمد للہ ماضی قریب تک سفر حج پر جانے والے اس بات کا بڑا اہتمام کرتے تھے، اگرچہ اب اس کا اہتمام نہیں کیا جاتا، یہاں تک کہ بسا اوقات اس کے قریبی رشتہ داروں سے اس کے معاملات صاف نہیں ہوتے اور وہ اس کے لیے کوشاں بھی نہیں ہوتا اور سفر حج پر چلا جاتا ہے، حالانکہ صلح واصلاح کا یہ بہترین موقع ہوتا ہے جسے وہ گنوا دیتا ہے اور

اگر زیادتی اس کی طرف سے ہے تب تو یہ بات بھی غور طلب ہے کہ اس کی عبادتیں کیا اس حالت میں جبکہ وہ ظلم پر قائم ہے بارگاہ الٰہی میں شرف قبولیت پا سکتی ہیں؟

اگر کسی کی اس نے جانے یا انجانے میں غیبت کی ہو تو اس سے بھی معافی مانگ لے اور اس کے لیے دعائے مغفرت بھی کرے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "ان من كفارة الغيبة أن تستغفر لمن اغتبته تقول اللهم اغفر لنا وله" غیبت کا کفارہ یہ ہے کہ جس کی تم نے غیبت کی ہے اس کے لیے دعائے مغفرت کرو، اے اللہ اسے اور مجھے معاف فرمادے۔

اس طرح دوسروں کا قرض اگر اس کے ذمہ ہے تو اسے بھی ادا کرے یا کسی کو سونپ جائے جو اسے ادا کردے، امانتیں بھی صاحب امانت کے حوالہ کر جائے۔

وصیت: بال بچوں اور دوسرے متعلقین کے سلسلہ میں جو ضروری باتیں ہیں ان کو تحریر کردے اور کسی ذمہ دار کو اس پر گواہ بھی بنادے، اسلام میں اس کی بھی بڑی اہمیت ہے۔

بال بچوں کو نیکی اور تقوی کی وصیت کرے، گناہ کے کاموں سے بچنے کی تلقین کرے، ماں باپ اگر باحیات ہیں تو ان سے بھی اجازت اور ان کی رضامندی حاصل کرے تاکہ ماں باپ کی نیک دعائیں اس کے ساتھ ہوں۔

سفر خرچ: احتیاطا سفر خرچ ساتھ میں زیادہ لے جائے تاکہ فراخی کے ساتھ کھانے پینے میں خرچ کرے اور اس مقدس سرزمین میں صدقات وخیرات بھی کرے، اللہ تعالی نے منافقین کے بارے میں فرمایا کہ وہ تنگ دلی کے ساتھ خرچ کرتے ہیں اور اس کے برعکس مومن اپنے جائز اخراجات طیب نفس کے ساتھ کرتا ہے۔

حج گائڈ: حج وغیرہ کے احکام ومسائل جاننے کے لیے اچھی کتابوں کا مطالعہ کرے، ضروری دعائیں یاد کرے، دوران حج واقع ہونے والی بعض غلطیوں اور غلط فہمیوں کا علم بھی رکھے تاکہ دوران حج اپنے دوسرے ساتھیوں کی کتاب وسنت کی روشنی میں رہنمائی کرسکے۔

رفیق سفر کا انتخاب: اس سفر حج کے لیے عمدۃ، خیرخواہ، خدمت گار، دیندار رفیق سفر کا انتخاب کرے جو ضرورت پڑنے پر اس کی مدد کرے اور نیکی کے کاموں میں اس کا تعاون کرے، ہر ساتھی دوسرے ساتھی کا احترام کرے، عزت کرے، خدمت کرے، دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر ترجیح دے، کسی ساتھی کی طرف سے اگر کوئی نامناسب بات سامنے آجائے تو اس پر صبر کر جائے اور عفو ودرگذر سے کام لے لے، یہ حج کی روح ہے۔

اخلاص نیت: اخلاص نیت عبادت کی قبولیت کے لیے شرط اول ہے، اس لیے اخلاص نیت کے ساتھ یہ سفر کرے، فریضہ کی ادائیگی، اللہ کی رضا اور ثواب حاصل کرنے کی نیت ہو، نام ونمود اور شہرت کے جذبہ سے بچے اور دوران سفر اس اخلاص کی تجدید

کرتا رہے۔

وقت سفر کا انتخاب: اگر ممکن ہو تو جمعرات کے دن صبح کے وقت نکلے، اللہ کے رسول ﷺ جمعرات کے روز سفر نکلنے کو پسند فرماتے تھے۔

اور صبح کے وقت کے بارے میں اللہ کے رسول ﷺ کی یہ دعا ہے: "اللهم بارك لأمتي في بكورها" اے اللہ میری امت کے صبح سویرے میں تو برکت وخیر عطا فرما۔

گھر والوں کو الوداع: گھر والے، پڑوسی اور اقارب کو الوداع کہے، ملاقات کرے، ان کے لیے دعائیں کرے اور ان سے دعائے خیر کی درخواست کرے۔

"أستودعك الله دينك وأمانتك وخواتيم أعمالك" تمہارا دین، امانت اور خاتمۂ اعمال کو اللہ کے حوالہ کرتا ہوں۔

گھر سے نکلتے وقت گھر سے نکلنے کی دعا، سواری پر بیٹھنے کے وقت سواری پر بیٹھنے کی دعا پڑھے۔

امیر کا انتخاب: دوران سفر کسی مناسب شخص کو اپنا امیر منتخب کرے جو دوسروں کا لحاظ رکھے اور اسے چاہئے کہ امیر کی بات مانے، اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا: "إذا كانوا ثلاثة فليؤمر أحدهم" جب تین لوگ ہوں تو ایک کو امیر منتخب کرلیں۔

دوران سفر خوب دعائیں کرے، اس لیے کہ دوران سفر کی دعائیں مستجاب دعاؤں میں سے ہے، ذکر اذکار سے اپنی زبان تر رکھے، قرآن کی تلاوت کرے، نماز قصر وجمع کے ساتھ پڑھے، اگر باجماعت نماز ادا کر رہا ہے تو امام کی اقتداء کرے۔

دوران سفر نیکی کے کسی بھی موقع کو ضائع نہ ہونے دے، حجاج کرام خصوصا معذور، بوڑھے اور بیمار کی خدمت بہت بڑی نیکی ہے اور دوران حج اس کے مواقع ہر موڑ پر آتے ہیں۔

تلبیہ سے اپنی زبان تر رکھے، بآواز تلبیہ پکارے، عورتیں بلند آواز سے تلبیہ نہ پکاریں (احرام باندھنے کے بعد سے لیکر طواف قدوم تک) اور نہ ہی جماعتی تلبیہ پکارے۔

بیت اللہ سے واپسی پر پہلے مسجد میں جا کر دو رکعت نماز ادا کرے، پھر گھر میں داخل ہو اور لوگوں سے ملاقات کرے۔ اس موقع پر اقارب واحباب و متعلقین کو دعوت دینا بھی مسنون ہے۔

☆☆☆

حج وعمرہ کی مروجہ بدعات ایک تحقیقی جائزہ

مولانا عبدالرحیم ریاضی

اسلام نے اپنے متبعین کے لیے بہت سی مختلف النوع عبادتیں مشروع قرار دی ہیں، اوران کی ادائیگی کے لئے کچھ احکام اورشرائط مقرر کئے ہیں، جن کی پابندی اور رعایت کے بغیر ان اعمال کی انجام دہی خلاف شرع ہوگی، ان عبادات میں سے کچھ یومیہ اپنے وقت پر ہر حال میں ادا کی جانے والی ہیں جیسے پانچ وقت کی فرض نمازیں، کچھ کے لیے ادائیگی کے ایام واوقات متعین ہیں جیسے روزہ، کچھ کے لیے ادائیگی کی جگہ متعین ہے جیسے عمرہ جس کی ادائیگی خانہ کعبہ اور صفا مروہ کے طواف وسعی سے ہی ممکن ہے، اور ایسی بھی عبادت ہے جو جگہ ومقام کے ساتھ ہی زمانہ ووقت کے ساتھ مقید بھی ہے جیسے حج بیت اللہ۔

حج جیسی جلیل القدر عبادت کی سعادت جس مسلمان کو نصیب ہو، اسے اللہ کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ جس نے اسے اس کی توفیق ارزانی فرمائی، حج اور دیگر عبادتوں کو جنہیں عازم حج سفر حج میں ادا کرنا چاہتا ہو کتاب وسنت کی روشنی میں انجام دینا چاہئے اور انہیں بدعات وخرافات ومشکوک ومشتبہ اعمال کی آمیزش سے بچانا چاہئے تاکہ بارگاہ رب العزت میں ہماری یہ عبادتیں شرف قبولیت پائیں، اور آخرت کا اجر وثواب ہماری نجات کا باعث بنے مگر افسوس کی بات یہ ہے کہ لاعلمی کی بنا پر ہمارے بہت سے عازمین حج نادانستہ طور پر کچھ ایسے کام کر جاتے ہیں جن کا حج وعمرہ سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا، ذیل میں ایسے ہی چند اعمال کا تذکرہ کیا جائے گا تاکہ ہم ان سے اجتناب کریں اور اپنے اعمال کو سنت نبوی کے مطابق انجام دے سکیں۔

☆ خلوص نیت: قبولیت عمل کی پہلی شرط خلوص نیت ہے اگر نیت خالص نہ ہو تو عمل رائیگاں وبرباد ہو جاتا ہے، ارشاد باری تعالی ہے: ﴿وما أمروا إلا ليعبدوا الله مخلصين له الدين ...... الآية﴾ (البینۃ: ۵) اور فرمان نبوی ﷺ ہے: "انما الأعمال بالنيات ...... الحديث" (البخاری) ہمارا سفر اگر حج وعمرہ کے لیے ہے تو ظاہر سی بات ہے کہ ہم اسی کی نیت کریں گے بجائے اس کے کہ کسی اور کام کی ابتداءً اور اصلاً نیت کریں، لیکن افسوس کا مقام ہے کہ بعض لوگ ادائیگی مناسک کے بجائے قبر رسول ﷺ کی زیارت کی نیت کرتے ہیں جب کہ زیارت قبور کے لیے شد رحال یعنی سفر کرنا اور زاد راہ اختیار کرنا ممنوع ہے، مشروع تو تین مساجد کی زیارت کے لیے ہی سفر کرنا ہے: مسجد حرام، مسجد نبوی اور مسجد اقصی، جیسا کہ صحیح احادیث سے ثابت ہے، اور زیارت قبر رسول ﷺ کے سلسلے میں وارد احادیث مقال سے خالی نہیں ہیں، علامہ ابن تیمیہ اور دیگر اجلہ علماء کرام نے ان سبھی پر کلام کیا ہے۔ (تفصیل کے لیے فتاوی ابن تیمیہؒ، شفاء الصدور، اقتضاء الصراط المستقیم اور الاعتصام جیسی کتابوں کا مراجعہ مفید ہوگا) نیز حج وعمرہ کی نیت کے وقت بآواز بلند لبیک حجا یا لبیک عمرۃ کہہ سکتا ہے، ان کے علاوہ کسی اور جگہ بلند آواز سے نیت کرنا بدعت ہے۔

☆ ریاکاری سے اجتناب: ریاکاری عبادتوں کو برباد کرنے والا عمل ہے اور شرک خفی ہے اور خلوص وللّٰہیت کے منافی

ہے، ہمارا مقصد اسلام کے فریضے اور رکن کی ادائیگی ہونی چاہئے، نہ کہ حاجی کہلانے کی خواہش وآرزو، لہذا اپنے حج کی بے جا تشہیر اور اعلان سے بھی گریز کریں، ہاں اعزہ واقارب کو اطلاع کی حد تک ایسا کر سکتے ہیں۔

☆ بلا احرام باندھے میقات سے آگے بڑھ جانا: دنیا کے تمام جہات سے آنے والے عازمین حج وعمرہ کے لیے رسول اللہ ﷺ نے احرام باندھنے کی کچھ جگہیں متعین کی ہیں جنہیں میقات کہا جاتا ہے اور ان جہات سے حج وعمرہ کے ارادہ سے مکہ تشریف لانے والے ہر مسلمان پر وہاں سے احرام باندھنا اور نیت کرنا واجب قرار دیا ہے، آج کے زمانہ میں ہوائی جہاز کے میقات سے نزدیک ہوتے ہی جہاز کا عملہ اعلان کرتا ہے کہ میقات آنے والی ہے، حجاج کرام احرام باندھ لیں اور تلبیہ پکارنے کا اہتمام کریں، اگر کسی کو ہوائی جہاز میں احرام باندھنے میں دقت محسوس ہو تو وہ ہوائی اڈے یا گھر سے بھی احرام کے کپڑے پہن سکتا ہے، مگر نیت میقات کے برابر پہنچ کر ہی کرے گا، یہ اس صورت میں جب کہ اسے سفر حج میں پہلے مکہ ہی جانا ہو لیکن اگر کسی کو مدینہ جانا ہو اور پھر وہاں سے مکہ آنا ہو تو وہ مکہ کے لیے نکلتے وقت مدینہ والوں کی میقات سے احرام باندھے گا۔ احرام باندھنے کے لیے میقات کی مسجد میں داخل ہونا ضروری نہیں ہے بلکہ میقات پر پہنچ کر کہیں سے بھی احرام باندھ سکتا ہے، احرام کی کوئی خاص نماز نہیں ہے الا یہ کہ فرض نماز کا وقت ہو یا اور کوئی سببی نماز ہو تو ادا کر سکتا ہے، مثلاً تحیۃ المسجد وغیرہ۔

☆ احرام کے کپڑوں میں خوشبو لگانا یا بحالت احرام خوشبو یا خوشبودار صابن تیل وغیرہ کا استعمال بھی منع ہے، البتہ احرام کی نیت کرنے سے قبل بدن اور بالوں وغیرہ میں خوشبو کا استعمال مسنون ہے۔

☆ طواف قدوم، اضطباع اور سعی کی بعض غلطیاں: بعض حجاج یہ سمجھتے ہیں کہ اضطباع طواف وسعی دونوں کے وقت کرنا ہے، حالانکہ ایسا نہیں ہے اضطباع صرف طواف قدوم کی سنت ہے۔ طواف کے بعد اپنا دایاں کندھا ڈھانک کر ہی طواف کی دو رکعت نماز ادا کرے۔

☆ حجر اسود کے پاس دھکا مکی کرنا: اگر بہ آسانی حجر اسود کا بوسہ لینا ممکن نہ ہو تو وہاں دوسرے اسلامی بھائیوں کی اذیت کا سامان نہ بنیں کیونکہ احترام مسلم واجب ہے۔

☆ سعی کے دوران بعض خواتین بھی دونوں سبز علامتوں کے مابین دوڑتی ہوئی نظر آتی ہیں یہ دین سے لاعلمی کا نتیجہ ہے، وہاں پر تیز چال چلنا مردوں کے لیے خاص ہے۔

☆ کعبہ دیکھنے یا مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت خاص دعاؤں کا اہتمام کرنا: خانۂ کعبہ دیکھنے کے وقت کی کوئی خاص دعا رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں ہے، نہ ہی مسجد حرام میں داخل ہوتے وقت کی، لہذا ان غیر ضروری تکلفات سے اجتناب کریں۔

☆ طواف کے ہر چکر کی مخصوص دعائیں: رسول اکرم ﷺ صحابہ کرام، ائمۂ عظام وسلف صالحین سے طواف وسعی کے ہر چکر کے لیے مخصوص دعاؤں کا اہتمام ثابت نہیں ہے، بلکہ ان سارے اعمال کی کوئی شرعی حیثیت نہیں ہے، اس سلسلے میں

مشروع یہ ہے کہ آدمی کو جو کچھ جی میں آئے اور خواہش ہو اپنے رب سے گریہ وزاری وفریاد والتجا کرے، عام دعاؤں، تلاوت قرآن مجید وغیرہ میں بھی مشغول رہے تو بہتر ہے۔

☆ ضرورت سے زیادہ بلند آواز سے یا اجتماعی دعائیں کرنا: طواف وسعی کے دوران بعض مسلمان بھائی بہ تکلف نہایت بلند آواز سے یا اجتماعی طور پر دعائیں کرتے ہیں، ایسا کر کے دوسروں کو زحمت میں مبتلا کرنے کا سبب بنتے ہیں، آپ کے مدنظر یہ بات ضرور ہونی چاہئے کہ رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام کو مخاطب کر کے فرمایا تھا کہ تم کسی گونگے بہرے رب کو نہیں بلکہ سمیع وبصیر کو پکار رہے ہو، لہذا آداب دعا کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

☆ صفا مروہ پر چڑھتے وقت کعبہ کی طرف اشارہ کرنا: صفا یا مروہ پر کھڑے ہونے کے بعد کعبہ کی طرف رخ کر کے ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا ہے نہ کہ کعبہ کی طرف اشارہ، اوروں کی دیکھا دیکھی ان مخالفتوں میں پڑنے سے خود کو محفوظ رکھیں۔

حلق وتقصیر کی بدعتیں: بعض حجاج عمرہ سے فارغ ہو کر سر کے بعض حصے کے بال کٹوانے پر اکتفا کرتے ہیں، یہ خلاف سنت ہے، پورے سر کے بالوں کو ترشوانا یا قصر کرانا چاہئے، عورتیں اپنے بالوں کے آخری سرے سے انگلی کے کنارے بھر بال کاٹیں گی۔

☆ طواف کرتے وقت کعبہ کے تمام ارکان یا پورے کعبہ کا استلام وتقبیل: رسول اکرم ﷺ نے حجر اسود کا بوسہ اور رکن یمانی کا استلام مسنون قرار دیا ہے، لہذا اسی پر اکتفا کرنا چاہئے کیونکہ عبادتیں توقیفی ہیں، ان میں اپنی طرف سے اضافہ نہیں کیا جاسکتا، نہ مقررہ مقدار سے کم کیا جاسکتا ہے، اگر حجر اسود کا بوسہ نہ دے سکیں تو استلام کریں گے، یہ بھی ممکن نہ ہو تو اشارے پر اکتفا کریں گے، مگر رکن یمانی کا استلام نہ کر سکیں تو اسے اشارہ بھی نہیں کرنا ہے، ہمیں عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ کے اسوہ کو سامنے رکھنا چاہئے، انہوں نے حجر اسود کا بوسہ لیتے وقت کہا تھا: "والله إني لأعلم أنك حجر لا تضر ولا تنفع لولا أني رأيت النبي ﷺ يقبلك ما قبلتك" (رواہ البخاری فی کتاب الحج، باب ماذکر فی الحجر الأسود) نافع اور ضار اللہ سبحانہ وتعالی کی ذات اقدس ہے نہ کہ یہ دیواریں اور حجر اسود۔

☆ منی میں نماز کا جمع وقصر: منی میں نماز کی رکعات وکیفیات کے سلسلے میں حجاج افراط وتفریط کا شکار ہوتے ہیں، کچھ لوگ سنت نبوی کو پس انداز کر کے پوری نماز ادا کرتے ہیں تو کچھ لوگ جمع وقصر دونوں کرتے ہیں، جب کہ صحیح طریقہ یہ ہے کہ ہر وقت کی نماز اس کے وقت پر قصر کے ساتھ یعنی چار رکعت والی نمازوں کو دو رکعت ادا کرنا ہے۔

☆ بلا عذر شرعی منی میں رات نہ گذارنا: جن دنوں میں حجاج کو منی میں ٹھہرنا ہے ان راتوں کو بھی منی میں گذارنا واجب ہے اور بلا عذر شرعی حدود منی سے باہر رات بسر کرنا خلاف سنت ہے، حجاج بیت اللہ اس امر سے اجتناب کریں۔

☆ میدان عرفات میں جمع وقصر سے نماز نہ ادا کرنا: بعض حجاج کرام میدان عرفات میں بھی مکمل نمازیں بلا قصر وجمع کے ادا کرتے ہیں، یہ عمل خلاف سنت ہے، ہمارے لئے اتباع سنت ہی فلاح ونجات کا ذریعہ ہے، لہذا سنت کی پیروی

کرنی چاہئے۔

☆ عرفات میں دعا کے لیے قبلہ رخ نہ ہونا: بعض حجاج کرام دعا کرتے وقت قبلہ رخ ہونے کا اہتمام نہیں کرتے بلکہ جس رخ بیٹھے رہتے ہیں، اس رخ بیٹھے بیٹھے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیتے ہیں، یہ خلاف اولی ہے قبلہ رخ ہوکر دعا کرنا افضل ہے۔

☆ عرفہ کے دن کی آخری ساعات (گھڑیاں) مزدلفہ جانے کی تیاریوں اور بات چیت کی نذر نہ کریں کیونکہ یہ دعاء ومناجات وگریہ وزاری کا افضل ترین وقت ہے، اس قیمتی موقع کو یونہی رائیگاں نہ جانے دینا چاہئے۔

☆ رمی جمرات کے لیے خاص مزدلفہ ہی سے کنکریاں چننا اور انہیں دھلنا: مزدلفہ سے منی کی طرف کوچ کرتے وقت راستے میں کہیں سے رمی جمرات کے لیے کنکریاں چن سکتے ہیں، ضروری نہیں کہ انہیں مزدلفہ ہی سے چنا جائے، حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے نبی کریم ﷺ نے جمرۂ عقبہ کی صبح کہا تھا کہ ہمارے لیے کنکریاں چن دو، نبی ﷺ کی سنت ہی قابل اعتناء ہے، اس پر عمل کریں اور چنے کے دانوں سے کچھ بڑی کنکریاں چنیں، اوران کنکریوں کا دھلنا ثابت نہیں ہے۔

☆ رمی کرتے وقت جوتے یا چپل مارنا یا گالی گلوج بکنا جہالت والا عمل ہے، اس سے بھی اجتناب کریں۔

☆ عرفات ومزدلفہ میں تلبیہ پکارنے میں غفلت برتنا: مشاعر مقدسہ میں تلبیہ پکارنا مسنون عمل ہے، دنیوی مشاغل میں پڑ کر غفلت کا شکار ہونے سے بچیں اور منی، عرفات اور مزدلفہ میں بھی تلبیہ پکارنے کا اہتمام کریں۔

☆ رمی جمرات کے وقت تمام کنکریاں ایک بار میں دے مارنا: یہ ایک بڑی بھاری بھول ہے، ہمیں ایک ایک کرکے ساتوں کنکریاں اس انداز سے مارنی چاہئے کہ ان کے جمرہ تک پہنچنے کا یقین ہو جائے پھر جمرات سے تھوڑا دور ہٹ کر دعا کرنا چاہئے۔

☆ تمام ارکان کی ادائیگی کے وقت مسلمان بھائیوں کو اپنی ذات سے کسی طرح کی تکلیف نہ ہونے دیں بلکہ ان کا ہر ممکن تعاون فرمائیں، یہی دینی خیر خواہی کا تقاضہ ہے۔

عموما ہندوستان سے دیار مقدسہ کا رخ کرنے والے عازمین حج کو پینتیس سے چالیس دن ان مقامات میں گذارنے کا موقع ملتا ہے اسے غنیمت جانیں، آرام وآسائش کی خواہش میں یا بازاروں میں گھوم کر اسے ضائع نہ کریں خاص کر آج کے دور میں جبکہ تمام طرح کی ضروریات زندگی دنیا کے بیشتر حصوں میں میسر ہیں۔

اللہ تبارک وتعالی ہمارے حج کو حج مبرور ومقبول بنائے اور ہماری مغفرت وبخشش فرمادے، آمین۔

تقبل یا رب العالمین۔

☆☆☆

قلم کی حفاظت

مولانا مظہر الاعظمی/ استاذ جامعہ عالیہ عربیہ، مئو

الفاظ کبھی زبان سے نکلتے ہیں اور بذریعہ کان دل پر اثر انداز ہوتے ہیں اور کبھی قلم سے ٹپکتے ہیں اور آنکھوں سے ہوتے ہوئے قلب کو متاثر کرتے ہیں، دونوں کے ذرائع اور انداز الگ الگ ضرور ہیں، مگر تھوڑے فرق کے ساتھ تاثیر میں یکسانیت ہے، زبان سے نکلے ہوئے الفاظ فضا میں تحلیل ہوجاتے ہیں اور سامع کے ذہن سے مفقود بھی مگر قلم کے الفاظ فضا میں تحلیل نہیں ہوتے بلکہ قرطاس ابیض پر محفوظ رہ کر مستقبل قریب یا بعید میں قاری پر اپنا اثر دکھلاتے رہتے ہیں، یہ اثر کبھی شادمانی کی شکل میں ہوتا ہے اور کبھی کسک کی شکل میں، یہی وجہ ہے کہ عام طور پر لوگ محبت نامہ بھی محفوظ رکھتے ہیں جسے وقتاً فوقتاً پڑھ کر محظوظ ہوتے ہیں اور نفرت وعداوت پر مبنی دشمنوں کے خطوط بھی تاکہ زخم ہرا رہے اور وقت آنے پر پورا حساب چکایا جاسکے۔

جس طرح ایک شخص اپنی زبان کے ذریعہ دوسروں کا غم بانٹتا ہے اور الفاظ کے تیر برسا کر نیم مردہ بھی کردیتا ہے اسی طرح قلم کے ذریعہ تعزیت نامہ لکھتا ہے، غم میں برابر کا شریک ہوتا ہے اور الفاظ کی گولیوں سے دل وجگر چھلنی کردیتا ہے، گویا زبان وقلم دونوں کا کردار وعمل مضرت ومنفعت میں یکساں ہے بلکہ قلم کا اثر دیرپا اور زخم کاری ہوتا ہے۔

کتاب وسنت میں زبان کی حفاظت پر کافی زور دیا گیا ہے، کیونکہ یہ زبان تو ہر شخص کے پاس ہے، چند گونگوں کو چھوڑ کر اور ہر شخص اسے بے دریغ استعمال کرتا ہے الا ماشاء اللہ مگر قلم کی حفاظت کا ذکر صراحت کے ساتھ نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے اصحاب قلم اسے بالکل آزاد سمجھتے ہیں اور جیسے چاہتے ہیں استعمال کرتے ہیں، ان کی شعلہ بار تحریر سے کون جھلس رہا ہے، کون تڑپ رہا ہے اور کس کے جسم وجان زخمی ہوکر مرغ بسمل کی طرح خون سے لت پت ہیں، انہیں کوئی پرواہ نہیں لیکن جنہیں اللہ نے زور قلم سے نوازا ہے ان کو اتنا شعور تو ہونا ہی چاہئے اور اگر نہیں ہے تو کسی سے عاریتاً لے لینا چاہئے کہ جس طرح قینچی کی طرح چلنے والی زبان کا مواخذہ ہوگا اسی طرح اس قلم کا بھی جو چلتا تو ہے بڑی روانی اور تیز رفتاری کے ساتھ مگر اس کی تیز رفتاری کتنوں کو روند کر مردہ اور نیم مردہ کرکے کراہنے پر مجبور کردیتی ہے اور اسے اپنے زعم میں احساس بھی نہیں ہوتا کہ مجھ سے کوئی جرم بھی ہوا، مگر اس کا عدم احساس سزا سے مانع نہیں ہوسکتا۔

ایک شخص جب اپنے زور قلم کی بنیاد پر صالح تنقید کرتا ہے تو اس کے الفاظ اس کی نیک نیتی اور صالحیت کا پتہ دیتے ہیں برخلاف اس کے اگر اس کی تنقید جارحانہ ہوتی ہے تو اس کی جارحیت کی بدبو ہر ہر لفظ سے آتی ہے جسے پڑھتے ہوئے قاری اپنی ناک بند کرلیتا ہے یا پڑھنا ہی بند کردیتا ہے، اگر قلم کا غلط استعمال کرنے والے اس حقیقت سے واقف نہیں کہ ان کی تحریر کا ایک ایک حرف جارحیت کی عریاں تصور ہوتی ہے جسے معمولی شخص بھی خوب اچھی طرح سمجھتا ہے تو اسے غلط فہمی کی کھول سے باہر آکر حقیقت کی دنیا کا بڑی نیک نیتی اور سچائی کے ساتھ جائزہ لینا چاہئے، امید ہے کہ بہت جلد غلط فہمی دور ہوجائے گی۔

قلم کا جارحانہ استعمال کرنے والوں کو اپنے ذہن میں یہ محفوظ رکھنا چاہئے کہ اس جارحیت سے نہ کوئی کسی کی آبرو مجروح کرسکتا ہے اور نہ ہی اپنی عزت میں اضافہ کرسکتا، البتہ تھوڑی دیر کے لیے اسے جھوٹی تسلی ہوجاتی ہے، جس تسلی کے لیے دوسروں سے ردعمل جاننا چاہتا ہے، اگر مدمقابل سے کوئی سن گن نہیں لگتی تو پھر وہ کف افسوس ملتا ہے۔ مولانا ابوالکلام آزاد کے متعلق درج ذیل اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

”ان پر تحریک خلافت کے بعد حاسدوں نے بہت سے رکیک حملے کئے لیکن کبھی رسید تک نہ دی، مسلم لیگ کا شباب ان کے لیے قیامت ہوگیا، قائداعظم نے شوبوائے کہا، ملک میں ہنگامہ سا ہوگیا، وقائع نگاروں نے چاہا مولانا جواب دیں لیکن مسکرا کر ٹال گئے،

بعض رفقاء نے کہا: ''جناح کو اس گالی کا جواب ضرور ملنا چاہئے'' فرمایا۔

نفاست کا تعلق صرف لباس، وضع قطع اور رکھ رکھاؤ سے نہیں ہے بلکہ اگر آدمی کے مزاج اور طبیعت میں نفاست پسندی ہے تو زندگی کے ہر شعبہ میں اس کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں، خصوصا زبان وقلم کی پاکیزگی کی گواہی تو اس کی زبان وقلم سے نکلا ہوا ہر لفظ دیتا ہے، کیونکہ وہ غیر سنجیدہ اور ناگوار الفاظ سے نہ زبان کو آلودہ کرتا اور نہ ہی قلم کو، زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ نفیس اور قلم سے نکلا ہوا ہر لفظ نفاست کی عکاسی کرتا ہے۔

شورش کاشمیری مولانا ابوالکلام آزاد کی نفاست کا ذکر کرتے ہوئے رقمطراز ہیں کہ:

''مولانا کا مذاق ہر معاملہ میں نفیس تھا، ہر چیز نفاست سے رکھتے اور نفاست سے چاہتے تھے، اپنا علمی اور سیاسی سفر بھی نفیس لوگوں کے ساتھ شروع کیا، ان کا رہنا سہنا، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا، بولنا چالنا، لکھنا پڑھنا، غرض سفر حیات کا ہر قدم نفیس تھا، ایسی کسی چیز کا تصور نہ کر سکتے تھے جو قبیح یا مکروہ ہو، مذاق کی نفاست کا یہ حال تھا کہ ''الہلال'' کے ابتدائی دور میں ادبی نوک جھونک کرتے رہے، لیکن ناگوار الفاظ سے قلم وزبان کبھی آلودہ نہ کئے، اس کے بعد اس روش سے دستبردار ہو گئے، وہ کسی کی ہتک یا ہجو کا تصور ہی نہ کر سکتے تھے''۔

(مولانا ابوالکلام آزاد مذہبی فکر وعمل کے آئینے میں ص ۱۹۳)

قلم کو ناگوار الفاظ سے آلودہ نہ کرنا صرف مزاج اور طبیعت کی نفاست کی عکاسی نہیں کرنا بلکہ یہی مومنانہ شان بھی ہے کہ زبان اور ہاتھ سے ہر شخص مامون ومحفوظ رہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" (صحیح البخاری حدیث: ۶۰۰۳) مسلمان وہی جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ رہیں، رسول اللہ ﷺ کے فرمان مبارک کے ایک ایک لفظ میں بڑی معنویت اور ہمہ گیری ہوتی ہے، اس لیے کسی بھی لفظ کو جو رسول پاک کی پاکیزہ زبان سے ادا ہوا ہے، اسے وسعت اور گہرائی وگیرائی کے تناظر میں دیکھنا چاہئے۔

لفظ ید کے استعمال سے اگر ہم نے صرف ہاتھ لے کر یہ سمجھ لیا کہ کسی کو مارنا پیٹنا اور ہاتھ کا ناحق استعمال کرنا ہی مسلم کی شان کے خلاف ہے، قلم کو جیسے چاہیں استعمال کریں، یہ اس دائرہ میں نہیں آتا تو یہ ہماری غلط فہمی ہے، کیونکہ مقصود تو تکلیف پہنچانے سے منع کرنا یا اس جرم کی شدت کو بیان کرنا ہے، چاہے زبان اور ہاتھ سے بالواسطہ ہو یا بغیر الواسطہ، عصر حاضر میں تو اس کی معنویت اور واضح ہو جاتی ہے، کیونکہ بہت بڑے بڑے جرائم ہوتے اور کئے جاتے ہیں اور اس میں زبان اور ہاتھ کا استعمال بظاہر دور سے دور تک نہیں دکھلائی دیتا مگر بالواسطہ ان دونوں اہم اعضاء کی کارفرمائی نمایاں رہتی ہے اور مجرم اسی کو گردانا جاتا ہے جو دکھلائی تو نہیں دیتا مگر پس پردہ وہی رہتا ہے اور اب تو اس کے لیے ماسٹر مائنڈ کی اصطلاح چل پڑی ہے، جو بہت ہی عام فہم بھی ہے اور مذکورہ فرمان رسول اللہ ﷺ کی معنویت پر دال بھی۔

علامہ اقبال کی مومنانہ وحکیمانہ شان سے کون واقف نہیں، انہوں نے بھی اپنی زبان وقلم کو بہت ہی احتیاط سے استعمال کیا کہ ایسا نہ ہو کہ بے قابو ہو کر یہ دونوں اپنے دائرہ کار سے نکل جائیں اور اس سے کسی کی دل آزاری ہو، فرماتے ہیں۔

میری زبان قلم سے کسی کا دل نہ دکھے
کسی سے شکوہ نہ ہو زیر آسماں مجھ کو

جس طرح ان دونوں سے حقوق اللہ کی ادائیگی میں مدد ملتی ہے اسی طرح حقوق العباد کی ادائیگی میں بھی مگر حقوق العباد میں عموما دل آزاری کا پہلو غالب رہتا ہے، اسی لیے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "من يضمن لی ما بين لحيتيه وما بين رجليه أضمن له الجنة" کہ جو شخص زبان اور شرمگاہ کی حفاظت کی ذمہ داری قبول کر کے ان دونوں کا غلط استعمال نہیں کرے گا میں اس کے لیے جنت کی ضمانت لیتا ہوں۔

اللہ تعالی زبان وقلم کی اہمیت کو سمجھنے اور حفاظت کی توفیق بخشے۔ (آمین) ☆☆

مجلس اور اس کے اسلامی آداب

اسامہ احمد صغیر احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ اسلام ایک عالمگیر مذہب اور مکمل ضابطۂ حیات ہے جس کو خالق دو عالم نے خاتم النبیین کو مبعوث کر کے کامل و مکمل کر دیا اور فرمایا: ﴿ اليوم أكملت لكم دينكم وأتممت عليكم نعمتي ورضيت لكم الإسلام دينا﴾[1] آج ہم نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنا انعام بھرپور کر دیا اور تمہارے لئے اسلام کے دین ہونے پر رضامند ہو گیا (جوناگڑھی) اس کے کامل و مکمل اور جامع و مانع ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس نے تمام عبادات و معاملات اور عادات و اطوار کے آداب و سلیقے کو پیش کر دیا ہے خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی سماجی ہو یا معاشی جہاں اسلام نے بہت سی چیزوں کے آداب و اطوار سکھائے ہیں وہیں مجلس یعنی نشست و برخاست کے آداب کی بھی تعلیم دی ہے۔

مجلس کی تعریف:

مجلس لغت میں جلس یجلس جلوساً کا اسم ظرف ہے بمعنی ''موضع الجلوس'' یعنی بیٹھنے کی جگہ۔[2]

اصطلاحا: مجلس طرح طرح کے لوگ اور مختلف قسم کے عادات و اطوار کے حامل افراد کو محیط ہوتی ہے اس میں چھوٹے بڑے، عالم و جاہل اور نرم و سخت مزاج سب شامل ہوتے ہیں۔

مجلس کا اطلاق کبھی کبھی اہل مجلس پر بھی ہوتا ہے جیسے کہا جاتا ہے ''اتفق المجلس''، مجلس (اہل مجلس) نے اتفاق کیا اور مجلس کا استعمال کبھی کبھی جلوس کے معنی پر ہوتا ہے۔[3]

مجلس کی دو قسمیں ہیں:

۱-مجلس شر: ایسی مجلس ہو ہنسی مذاق، فضول ولغو، غیبت و چغلخوری اور شریعت کی استہزاء و تحقیر کے لئے منعقد کی جاتی ہے ایسی مجلس میں کسی مسلمان کو شریک ہونے کی قطعا اجازت نہیں ہے اللہ عزوجل کا ارشاد ہے: ﴿ و إذا رأيت الذين يخوضون فى آياتنا فاعرض عنهم حتى يخوضوا فى حديث غيره﴾ [4] اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیت میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔ (جوناگڑھی)

امام قرطبی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ اہل کبائر کی مجلس میں شامل ہونا جائز نہیں۔ [5]

---

[1] مائدۃ:۳ [2] لسان العرب: ج۶/۴۰ [3] الموسوعۃ الفقھیۃ: ج۳۶/۱۳۲
[4] انعام:۶۸ [5] الجامع لأحکام القرآن: ج۴/۱۵

مولانا صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں رقمطراز ہیں کہ اس سے ہر وہ مجلس مراد ہے جہاں اللہ اور اس کے رسول کا مذاق اڑایا جارہا ہو ایسی مجلس میں شریک ہونا سخت گناہ اور غضب الٰہی کا باعث ہے۔ [۱]

۲۔مجلس خیر: ایسی مجلس جو معاشرہ میں پیدا ہونے والے مسائل ومشکلات کے حل، تعلیم وتعلم، علم وادب، ذکرواذکار اوراس طرح کے دوسرے اعمال خیر کے لئے منعقد کی جاتی ہے ایسی مجلس میں شریک ہونے کی بڑی فضیلت ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ عن ابی سعید الخدری رضی الله عنه قال قال رسول الله ﷺ " لا يقعد قوم يذكرون الله تعالىٰ إلا حفتهم الملائكة و غشيتهم الرحمة و نزلت عليهم السكينة وذكرهم فيمن عنده۔" [۲] یعنی جب کوئی قوم مجلس منعقد کرتی ہے اوراس میں ذکرواذکار رہتا ہے تو فرشتے ان کو گھیر لیتے ہیں، رحمت ان پر چھا جاتی ہے اور ان پر سکون نازل ہوتا ہے اوراللہ تعالیٰ ان لوگوں کا فرشتوں کے پاس ذکر کرتا ہے۔

آداب مجلس:

یہ ایک معلوم حقیقت ہے کہ دین اسلام، دین رحمت ہے جس کے جامع ومانع اور کامل ومکمل ہونے میں کوئی شک نہیں ہے۔ اس نے جہاں انسانیت کے تمام مسائل پر روشنی ڈالی ہے وہیں حسن معاشرت کی بھرپور تعلیم دی، حسن معاشرت کے سلسلے میں اس کی دی گئی تعلیم میں سے ایک آداب مجلس بھی ہے، اسلام نے مجلس خیر میں شریک ہونے کے لئے چند آداب مقرر کئے ہیں جن کا لحاظ وپاسداری اہل مجلس پر لازم ہے اوروہ درجہ ذیل ہیں۔

۱۔مجلس کے لئے موزوں جگہ اختیار کرنا: یعنی مجلس کے لئے مناسب جگہ ہونی چاہئے اوران جگہوں میں مجلس جمانے سے احتراز کرنی چاہئے جن سے شریعت نے منع فرمایا ہے، مثلاً عام راستہ پر مجلس منعقد کرنا درست نہیں، لیکن اگر وہاں مجلس قائم کرنا ناگزیر ہوجائے تو اہل مجلس پر حقوق راستہ کی ادائیگی لازم آئے گی جیسا کہ ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:" اياكم والجلوس بالطرقات قالوا! يا رسول الله ما بد لنا من مجالسنا نتحدث فيها وقال: فاذا ابيتم إلا المجلس فاعطوا الطريق حقه قالوا: و ما حقه يا رسول الله قال غض البصر، وكف الأذى، و رد السلام والأمر بالمعروف والنهى عن المنكر۔ [۳] راستے میں بیٹھنے سے بچو، لوگوں نے کہا کہ ہمارے لئے بیٹھنا ضروری ہے۔ اس لئے کہ ہم اس میں باتیں کرتے ہیں، آپ نے فرمایا اگر بیٹھنا ہی ہو تو راستے کا حق ادا کرو، لوگوں نے کہا کہ اے اللہ کے رسول راستے کا حق کیا ہے؟ آپ نے فرمایا نگاہ نیچے رکھنا، تکلیف دہ چیز کو راستے سے ہٹانا، سلام کا جواب دینا، بھلائی کا حکم دینا برائی سے روکنا۔

---

[۱] تفسیر صلاح الدین یوسف حفظہ اللہ ص:۳۶۴

[۲] مسلم/۱۱۷۳، رقم، ۶۸۵۵، کتاب الذکر والدعا، باب فضل الإجتماع....

[۳] بخاری ص:۱۰۸۳، رقم ۶۲۲۹، کتاب الاستئذان، باب قول اللہ، یاایھا الذین آمنوا....

۲-مجلس میں بیٹھتے اوراس سے اٹھتے وقت سلام کرنا: یہ آداب مجلس میں سے ہے کہ جب آدمی اس میں جائے تو سلام کرکے جہاں جگہ ملے بیٹھ جائے اور جب مجلس سے نکلے تو سلام کرکے نکلے، جیسا کہ نبی ﷺ کا ارشاد ہے:'' إذا انتهى احدكم إلى مجلس فليسلم فان بدا له ان يجلس فليجلس ثم إذا قام فليسلم فليست الأولى بأحق من الأخرة۔'' [۱] یعنی جب تم میں سے کوئی مجلس میں آئے تو سلام کرکے بیٹھ جائے، پھر جب جانے لگے تو سلام کرکے جائے، پہلا سلام دوسرے سلام سے زیادہ ضروری نہیں ہے۔

۳-مجلس میں کشادگی پیدا کرنا: یعنی مجلس کا دائرہ اتنا وسیع رکھنا چاہئے کہ بعد میں آنے والے کو بیٹھنے میں کوئی تکلیف نہ ہو،اس لئے کہ سب سے بہتر مجلس وہ ہے جو کشادہ ہو جیسا کہ حدیث میں ہے'' خير المجالس اوسعها'' [۲] یعنی سب سے بہتر مجلس وہ ہے جو سب سے زیادہ کشادہ ہو، اوراللہ رب العالمین کا ارشاد ہے﴿ يا ايهاالذين آمنوا اذا قيل لكم تفسحوا فى المجالس فافسحوا يفسح الله لكم﴾ [۳] اے ایمان والو! جب تم سے کہا جائے کہ مجلسوں میں کشادگی پیدا کروتو تم جگہ کشادہ کردو اللہ تمہیں کشادگی دے گا۔(جونا گڑھی)

۴-کسی کواس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں: یہ مجلس کا ادب وسلیقہ ہے کہ اپنے بیٹھنے کے لئے دوسرے کو نہ اٹھایا جائے کیوں کہ ایسا کرنے سے اس شخص کو تکلیف ہوگی اور وہ دل میں رنجیدگی محسوس کرے گا اور یہ تو معلوم ہے کہ مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے۔ [۱] بلکہ اگر جگہ نہ ملے تو اس سے کشادگی کی درخواست کرے تاکہ اس کی دل شکنی نہ ہو اور سب کے لئے جگہ فراہم ہو جیسا کہ حدیث میں آیا ہے'' نهى رسول الله ﷺ ان يقام الرجل من مجلسه و يجلس فيه آخر ولكن تفسحوا و توسعوا'' [۵] یعنی آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایک آدمی کو اٹھا کر دوسرا اس کی جگہ میں نہ بیٹھے لیکن (یہ کہہ کہ) کھسکو اور کشادگی کرو۔

۵-دوآدمیوں کے درمیان تفریق کرنا درست نہیں: یہ مجلس کا ادب ہے کہ جب دو آدمی بیٹھے ہوں تو بلا اجازت ان دونوں کے درمیان بیٹھ کر تفریق نہیں کرنا چاہئے اِلا یہ کہ ان دونوں کے بیچ گنجائش پائیں جیسا کہ حدیث میں آیا ہے، عن عمرو بن شعيب قال : ان رسول الله ﷺ قال لا يجلس احدكم بين رجلين إلا باذنهما'' [۶] عمرو بن شعیب سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا، کہ تم میں سے کوئی دو آدمیوں کے درمیان بغیر اس کی

---

[۱] ترمذی ص:۶۱۴،رقم ۲۸۰۲، کتاب الاستئذان، امام ترمذی نے اس حدیث کو حسن کہا ہے۔

[۲] ابوداؤد ص:۱۶۲،رقم ۴۸۲۰، کتاب الآداب، باب فی سعۃ المجلس

[۳] مجادلۃ:۱۱ [۴] آداب سلام ص:۴۹

[۵] بخاری ص:۱۰۹۲،رقم:۶۲۷۰ کتاب الاستئذان باب اذا قیل لکم تفسحوا.......

[۶] ابوداؤد ص:۹۶۸،رقم:۵۶۸۹، کتاب الأدب، باب فی الرجل یجلس بین الرجلین ....

اجازت کے نہ بیٹھے۔

۶-ضرورت کے تحت مجلس سے اٹھنے والاشخص اپنی جگہ کازیادہ مستحق ہے: یہ مجلس کاادب اورسلیقہ ہے کہ جب کوئی شخص کسی ضرورت کے تحت مجلس سے اٹھے تواس کی جگہ کوخالی چھوڑ دیا جائے اگراس کے واپس نہ آنے کا یقین ہو جائے تو کوئی دوسرا بیٹھ سکتا ہے لیکن اگر وہ لوٹ آیا تواس کا زیادہ حقدار وہی شخص ہے جیسا کہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا" اذا قام احدكم من مجلسه ثم رجع اليه فهو احق به"[۱] یعنی جب تم میں سے کوئی مجلس میں سے اٹھے پھرلوٹ کرآئے تواس جگہ کازیادہ حقداروہی ہے۔

۷-تیسرے کوچھوڑکردوشخص کی باہم سرگوشی جائزنہیں: یہ مجلس کے آداب وسلیقے اوراسلامی عادات واطوار کے خلاف ہے کہ جب مجلس میں تین آدمی ہوں تو دوآدمی الگ ہوکر بات کرنے لگیں اورایک کوالگ چھوڑ دیں، ایسا کرنے سے اس لئے روکا گیا ہے کہ تیسرے شخص کے دل میں بدگمانی پیدا ہوگی کہ یہ دونوں میری غیبت کررہے ہیں یااس سے وہ پریشان ہوجائے گا جیسا کہ حدیث میں آیا ہے" عن عبدالله قال ، قال: رسول الله ﷺ اذا كنتم ثلاثة فلا يتناجى رجلان دون الآخر حتى تختلطوا بالناس اجل ان ذلك يحزنه۔"[۲] یعنی جب تم تین افرادرہوتو دوآدمی الگ ہوکرسرگوشی نہ کرے تیسرے کوچھوڑکر، البتہ تم سب لوگوں کے ساتھ مل جاؤں کیوں کہ یہ چیزاس (تیسرے کو) تکلیف پہونچائے گی۔

اوراسی حدیث سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ مجلس میں ہم کسی اجنبی زبان میں بات نہ کریں جس کواہل مجلس سمجھ نہ سکیں کیوں کہ یہ چیز بھی ان کی رنجیدگی کا باعث ہے وہ سوچے گا کہ میری ہی برائی بیان کی جارہی ہے اس طرح وہ ناگواری کا احساس کرے گااوراس کے دل میں نفرت وغصہ کے جذبات پیدا ہوں گے۔ [۳]

۸-اہل مجلس کاکسی آنے والے شخص کے احترام میں کھڑاہونا: یہ مختلف فیہ مسئلہ ہے بعض کے نزدیک قیام جائز ہے اور بعض عدم قیام کے قائل ہیں اوراس سلسلے میں بعض احادیث ہیں مثال کے طور پر یہ حدیث" عن معاوية قال سمعت رسول الله ﷺ يقول من سره ان يتمثل الناس قياماً فليتبوأ مقعده من النار"[۴] یعنی جواس بات سے خوش ہوکہ لوگ کھڑے ہوکراس کی تعظیم کریں تواپنا ٹھکانا جہنم بنالے۔ مذکورہ حدیث عدم قیام پر دال ہے لیکن اس سلسلے میں درست بات یہ ہے کہ دراصل اس حدیث میں اوران جیسی دوسری احادیث محض اس کی تردید ہے جواس بات کاخواہاں ہوکہ لوگ اس کے لئے کھڑے ہوکراس کی تعظیم کریں یا کھڑے ہونے سے مراد مطلقا کھڑا ہونا نہیں بلکہ عجمیوں کی طرح کھڑا ہونا مراد ہے اس لئے کہ ان کا

---

[۱] مسلم/ص:۹۶۸،رقم:۵۶۸۹، کتاب الآداب، باب اذا قام من مجلسه ثم عاد فهو أحق به۔

[۲] بخاری/ص:۱۰۹۵،رقم:۶۲۹۰، کتاب الاستئذان، باب إذا كانوا اكثر من ثلاثة

[۳] ایمان وعمل ص:۱۴۷

[۴] ترمذی ص:۶۲۳/رقم:۲۷۵۵، کتاب الاستئذان، باب ماجاء في كراهية ......ترمذی نے حسن کہا ہے۔

طریقہ تھا کہ نوکر، آقا، رعایا، بادشاہ کی خدمت میں کھڑے رہتے تھے ان کو بیٹھنے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔

اور رہی بات یہ کہ کسی کے آنے پر فرحت وسرور سے کھڑا ہونا، پھر بیٹھ جانا مسلسل کھڑا نہ رہنا اسکی گنجائش ہے جیسے کہ آنے والے اگر کوئی استاذ ہوں یا کوئی ذمہ دار تو کھڑا ہونا بہتر ہے۔ [۱]

اور آپ ﷺ نے غزوہ بنوقریظہ کے موقع پر فرمایا'' عن أبی سعید أن أهل قریظة نزلوا علی حکم سعد، فارسل النبی ﷺ الیه فجاء فقال، قوموا الی سیدکم'' [۲] حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اہل قریظہ حضرت سعد کے فیصلے پر اتر آئے تو نبی ﷺ نے اس کی طرف ایک آدمی کو بھیجا اور وہ آئے آپ نے فرمایا اپنے سردار کے لئے کھڑے ہوجائے۔

اور اسی طرح مصافحہ کے لئے کھڑا ہونا اور کھڑا ہوکر آنے والے کا ہاتھ پکڑ کر اپنی جگہ بیٹھانا جائز ہے۔

۹- حلقہ کے بیچ میں بیٹھنا ممنوع ہے: مجلس میں جہاں جگہ ملے بیٹھ جانا چاہئے مجمع کو چیرتے اور کودتے، پھلانگتے ہوئے حلقہ کے بیچ میں جا کر نہیں بیٹھنا چاہئے اس سے اہل مجلس کو تکلیف پہونچتی ہے۔ [۳] اور رسول اللہ ﷺ نے ایسے شخص پر لعنت فرمائی ہے'' لعن رسول الله ﷺ من جلس فی وسط الحلقة'' [۴] نبی ﷺ نے ہر اس شخص پر لعنت فرمائی ہے جو حلقہ کے بیچ میں بیٹھتا ہے۔

۱۰- ناشائستہ اور غیر مناسب حرکتوں سے اجتناب کرنا: آدمی مجلس میں سکون واطمینان کے ساتھ بیٹھے اور غیر مناسب حرکتوں سے بچے، جیسے داڑھی کے ساتھ کھلواڑ کرنا، ناک میں انگلی کرنا، انگلی پھوڑنا اور وہ تمام حرکتیں جس کو اہل مجلس ناپسند کرتے ہیں۔ [۵]

ان چیزوں سے اس لئے پرہیز کرنا چاہئے کہ ایک مسلمان کے عمل سے دوسرے کو تکلیف نہ پہونچے کیوں کہ کسی مسلمان کو تکلیف دینا حرام ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے، مسلمان وہ ہے جس کے زبان اور ہاتھ سے دوسرے مسلمان محفوظ رہیں۔ [۶]

۱۱- مجلس کی انتہاء دعاء ماثور پر ہو: مجلس کے اختتام کے وقت اہل مجلس کو یہ دعا پڑھنی چاہئے'' سبحانك اللهم وبحمدك أشهد أن لا إله إلا أنت أستغفرك وأتوب إليك'' [۷] یہ دعا مجلس میں واقع ہوئی کوتاہیوں اور غلطیوں کا کفارہ بن جاتی ہے۔☆☆

---

[۱] حجۃ اللہ البالغہ ج:۲/۸۴۶

[۲] بخاری ص:۱۰۹۰، رقم:۶۲۶۲، کتاب الاستئذان باب قول النبی ﷺ قوموا الی سیدکم

[۳] آداب زندگی ص:۲۰۷

[۴] ابوداؤد، رقم:۴۸۲۶، باب فی الجلوس وسط الحلقة۔

[۵] منہاج المسلم ص:۲۰۸

[۶] بخاری ص:۱۱۲۴، رقم:۶۴۸۴، کتاب الرقاق، باب الإنتھاء عن المعاصی

[۷] اخیر میں جو دعا لکھے ہوئے اس کا حوالہ نہیں لکھا ہوا ہے۔

موبائل کے فتنے

حماد عبدالغفار سلفی/علی گڑھ

ماضی بعید تو دور ماضی قریب ہی کو لے لیں، ایک دوسرے سے رابطہ میں مہینوں لگ جاتے تھے، لیکن موبائل فون کے سامنے طویل مسافتیں سرنگوں ہوگئیں، اس کے ذریعہ سکنڈوں میں انسان مشرق سے مغرب کا دورہ کرلیتا اور دوستوں، رشتہ داروں سے جڑ جاتا ہے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی نعمت ہے لیکن انسان نے اس نعمت کا غلط استعمال شروع کردیا جس کے نتیجے میں بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں اور مسلمان بھی ان کی لپیٹ میں آگئے۔ موبائل کے یہ فتنے دیکھ کر یہ حدیثیں بکثرت یاد آنے لگی۔'' عن معاوية يقول سمعت النبي ﷺ يقول ولم يبق من الدنيا إلا بلاء و فتنة'' (رواہ ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب شدۃ الزمان) نبی ﷺ نے فرمایا (قیامت کے قریب) دنیاں میں فتنوں اور مصیبتوں کے سوا کچھ باقی نہیں رہ جائے گا۔ اور'' ولا ياتي عليكم زمان إلا الذي بعده شرمنه حتى تلقوا ربكم'' (رواہ البخاری، کتاب الفتن، باب لایاتی زمان الا الذی بعدہ شرمنہ) تم پر ایسا زمانہ آنے والا ہے جس میں ہر آنے والا دن پہلے سے بدتر ہوگا یہاں تک کہ تم اپنے رب سے ملاقات کرو۔

حقیقت ہے پہلے جو برائیاں، سنیما گھروں، ٹیلی ویژنوں تک محدود تھیں اب لوگ انھیں جیبوں میں رکھ کر گھومتے ہیں، ان سے پنپنے والے فسادات کی کثرت ہوتی جارہی ہے۔ ذیل میں موبائل فون کے چند فتنے اور ان پر وعیدیں ملاحظہ ہوں۔

نوجوان نسل کی بے حیائی: موبائل کا عظیم ترین فتنہ نوجوانوں کی بے راہ روی اور بے حیائی کی شکل میں ظاہر ہوا ہے، فون پر گفتگو سے شروع ہوئی محبت کے نتیجے میں کتنی ہی معصوم دوشیزائیں گھروں سے بھاگ چکی ہیں۔ افسوس تو یہ ہے کہ مستورات کو فون رکھنے کی اجازت دے دی جاتی ہے پھر جب کچھ انہونی ہوجاتی ہے لوگ منہ چھپائے پھرتے ہیں۔ یہاں اس فتنہ کی تفصیل مقصود نہیں اس بارے میں وارد وعید کی طرف اشارہ کرنا ہے۔ عن عبدالله بن عمرو قال قال رسول الله ﷺ " إن الله لا يحب الفحش والتفحش أو يبغض الفاحش والمتفحش، ولا تقوم الساعة حتى يظهر الفحش والتفاحش، الحديث۔ (مسند احمد) بے شک اللہ تعالیٰ بے حیائی اور فحش گو کو پسند نہیں کرتا یا اللہ تعالیٰ بے حیا اور فحش گو سے بغض رکھتا ہے، قیامت قائم نہیں ہوگی یہاں تک کہ بے حیائی اور فحش گوئی عام ہو!

موبائل پر نوجوان لڑکوں لڑکیوں کی یہ گفتگو سراسر بے حیائی و فحش گوئی ہے وعید کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنے کی ضرورت ہے۔

فحش تصویریں و بلو فلمیں دیکھنا: یہ چیز بھی نوجوانوں کو برائیوں کے دلدل میں دھنسا رہی ہے، افسوس کہ نوعمر بچے بھی اس کا شکار ہیں، جنسی جرائم میں اضافہ کا ایک بڑا سبب یہ بھی ہے۔ اس پر وعید کے سلسلے میں یہ حدیث کافی ہے:'' إن شر الناس عندالله منزلة يوم القيامة الرجل يفضي إلى امرأته و تفضي إليه ثم ينشر سرها''۔ (رواہ مسلم کتاب النکاح)

قیامت کے دن سب سے بدتر آدمی وہ ہوگا جو بیوی کے ساتھ خلوت کے لمحات کے قصے دوسروں کو سنائے۔ غور کیجئے! جب بیوی کی باتیں دوسروں کو بتانے پر اتنی سخت وعید ہے تو غیر مرد و زن کی تنہائی کے لمحات دوستوں کے ساتھ مل کر دیکھنے، اس پر بیہودہ تبصرہ کرنے

اور ہنسی ٹھٹھا کرنے پر کیا ہوگا، پھر اس سے متاثر ہوکر زنا ولواطت جیسی تباہیوں کے ارتکاب کی وعید الگ سے۔

گانے سننا: گانا سننے کے لئے بھی موبائل کا بکثرت استعمال ہوتا ہے، چھوٹوں سے لے کر بڑے تک اس میں مست نظر آتے ہیں، حدیث میں ہے: ”سیکون فی اٰخرالزمان خسف و قذف و فسخ قیل، و متیٰ ذلك یا رسول الله قال إذا ظهرت المعازف والقینات واستحلت الخمر“ (رواہ الطبرانی) نبی ﷺ نے فرمایا آخری زمانے میں خسف، قذف اور مسخ ہوگا عرض کیا گیا اے اللہ کے نبی ﷺ یہ کب ہوگا؟ آپ نے فرمایا: جب گانے بجانے کے آلات اور گانے والی عورتیں ظاہر ہوں گی اور شراب کو حلال سمجھ لیا جائے گا۔“ عن أبی مالك الأشعری قال: قال رسول الله ﷺ یشربن ناس من أمتی الخمر یسمونها بغیر اسمها، یعزف علی رؤوسهم بالمعازف والمغنیات یخسف الله بهم الأرض و یجعل منهم القردة والخنازیر “(رواہ ابن ماجہ، کتاب الفتن، باب العقوبات) میری امت کے لوگ شراب پئیں گے لیکن نام کچھ اور رکھ دیں گے ان کی سرپرستی میں گانے باجے ہوں گے اللہ تعالیٰ انھیں زمین میں دھنسا دے گا اور انھیں میں سے بعض کو بندر وسور بنادے گا۔ موبائل کو گانے کا آلہ بنانے والے یہ حدیث سامنے رکھیں۔

عام مسلمانوں کو تکلیف دینا: گانا سننے والے اصحاب صرف خود ہی نہیں سنتے دوسروں کو بھی سنانے کی کوشش کرتے ہیں، آواز اتنی بلند رکھتے ہیں کہ کوئی بھلا شخص وہاں بیٹھ نہ سکے، دن تو دن رات میں بھی یہ رسیا یہی انداز اپناتے اور دوسروں کی نیند خراب کرتے ہیں۔ یہ مسلمانوں کو اذیت دینا نہیں تو اور کیا ہوا؟ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ والذین یؤذون المؤمنین والمؤمنات بغیر ماااکتسبوا فقد احتملوا بهتانا واثما مبینا﴾ (الاحزاب:۵۸)

اسی طرح محض دل لگی کے لئے کسی کے پاس فون کرکے اسے گالی دینا بھی اسی زمرے میں آتا ہے” سباب المسلم فسوق و قتاله کفر“ (متفق علیہ، بخاری کتاب الادب باب ماینھی من السباب واللعان۔ ترجمہ: مسلمان کو گالی دینا فسق ہے اور اس سے لڑائی کرنا کفر ہے۔

جھوٹ، غیبت وفحش گوئی: بات کرتے وقت بکثرت جھوٹ بولنا فیشن بنتا جارہا ہے جب کہ جھوٹ کے بارے میں سخت وعیدیں موجود ہیں، صرف ایک حدیث جھوٹے کی تباہی کے لئے کافی ہے۔ أربع من کن فیه کان منافقا خالصا، ومن کانت فیه خصلة منهن کانت فیه خصلة من نفاق ، حتی یدعها، إذا ائتمن خان، وإذا حدث کذب و إذا عاهد عذر وإذا خاصم فجر، متفق علیه، بخاری، کتاب الایمان باب علامة المنافق۔ حدیث میں مذکور ہے کہ گفتگو میں جھوٹ بولنے والا منافق ہے واضح رہے کہ علماء نے اسے نفاق عملی میں شمار کیا ہے۔ غیبت بھی حرام ہے: ﴿ ولا یغتب بعضکم بعضا أیحب أحدکم أن یأکل لحم أخیه میتا فکرهتموه۔ الآیة (الحجرات:۱۲) فحش گوئی بھی ممنوع ہے: ”لیس المومن بالطعان ولا اللعان ولا الفاحش ولا البذی“۔ (رواہ الترمذی، ابواب البر والصلة)

اعلی اخلاقی اقدار کے منافی یہ چیزیں جب ہمارے اندر جمع ہوجائیں گی تو ہمارے دین وایمان کا کیا حال ہوگا۔ لہذا ان تمام چیزوں سے اجتناب ضروری ہے۔

اس مختصر مضمون کے لکھنے کا سبب صرف یہ ہے کہ کوئی عقل سلیم رکھنے والا اس سے ہدایت لے اور والدین اپنے بچوں کی خبرگیری کریں۔ ☆

وہابی تحریک کی سرگرمیاں

(قسط: ۷)

صدیق احمد نفیس احمد
فاضل جامعہ سلفیہ، بنارس

حق و باطل کے معرکے

جنگ آکوڑہ:

سید صاحب ابھی راہِ ہجرت میں تھے کہ دور دور تک یہ شہرہ ہو گیا تھا کہ آپ کی سرحد کی طرف ہجرت کرنا اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے جہاد کرنا ہے لہذا سرحد کے گرد و نواح میں سیاسی بھونچال آنا ضروری تھا ایک دن ایک جاسوس کے ذریعہ معلوم ہوا کہ بدھ سنگھ ایک بڑے لشکر کے ساتھ دریائے سندھ عبور کر کے خیر آباد میں داخل ہو چکا ہے امیر خاں رئیس آکوڑہ نے بھی اس کی تصدیق کر دی اور ساتھ ہی انتباہ کیا کہ اگر بدھ سنگھ لنڈے کو عبور کر کے آگے نکل آیا تو سارے ملک سمہ میں قتل و غارت کا خوفناک طوفان امنڈ آئے گا اور لوگ آپ کا ساتھ نہیں دے سکیں گے، اس وقت آپ چارسدہ میں تھے آپ نے آگے بڑھ کر دشمن کے سیلاب کو روکنا مناسب سمجھا، چنانچہ آپ نے نوشہرہ کا قصد کیا بعض روایتوں میں آتا ہے کہ آپ نے جنگ سے پیشتر اسلامی طریقے کے مطابق ایک خط دربارِ لاہور میں بھیجا تھا جس میں اسلام قبول کرنے یا جزیہ دینے یا پھر تلوار اٹھانے کی دعوت دی گئی تھی۔ سکھ لشکر کی تعداد ۷/ سے ۱۰/ ہزار کے درمیان رہی ہوگی جو مکمل طور پر جنگی ساز و سامان سے لیس تھے اور مجاہدین کل ڈیڑھ ہزار تھے اور وہ بھی نہتے۔ اس لئے آپ نے دو بدو جنگ کرنے کے بجائے شبخون مارنا مناسب سمجھا چونکہ یہ پہلی جنگ تھی اس لئے مجاہدین کچھ زیادہ ہی جوش و خروش کا مظاہرہ کر رہے تھے جو مرض میں مبتلا تھے وہ بھی آرام کرنا پسند نہیں کرتے تھے، چنانچہ آپ نے نوسو آدمیوں کو شب خوں کے لئے چنا اور سالاری کا تاج اللہ بخش خاں مورانوی کے سر پر رکھا۔ یہ جنگ ۱۰/ جمادی الاولی ۱۲۴۲ھ مطابق ۲۰/ دسمبر ۱۸۲۶ء کو رات سوا چار بجے سے چھ بجے صبح تک جاری رہی یہ شبخوں کامیاب رہا جس میں چھتیس ہندوستانی غازی اور چھیالیس قندھاری غازی کام آگئے، تیس یا چالیس تک کی تعداد میں زخمی ہوئے۔ سکھوں کے سات سو آدمی قتل کئے گئے اور کثیر تعداد میں زخمی ہوئے اس جنگ کے متعلق سید صاحب اپنے ایک مکتوب میں لکھتے ہیں جس سے اس کے انجام پر بھی روشنی پڑتی ہے:

”مصلحت وقت کا تقاضہ یہ ہوا کہ مجاہدین کی ایک جماعت کو راتوں رات دریا سے گزار کر شبخوں کے لئے بھیجا جائے چنانچہ اس جماعت نے ۲۰/ جمادی الاولی ۱۲۴۲ھ کو حملہ کیا اور رات کے آخری حصوں میں غافلوں پر جا گرے تو پیں اور بندوقیں معطل ہو گئیں اور تلواروں کی لڑائی ہوئی بالجملہ مجاہدین کے لئے فتح کا ایک روازہ کھل گیا۔“ [۱]

---

[۱] منظورہ ص: ۳۱۵ تا ۳۲۰ بحوالہ سید احمد شہید

شبخوں کی کامیابی میں کوئی شبہہ نہیں لیکن اہل سرحد نے اپنی عادت کے مطابق اصل کام چھوڑ دیا اور مال ومتاع سمیٹنے لگے نہایت افسوس ناک امر یہ ہے کہ جس شخص کے پاس مال غنیمت بہ اندازہ حمل و برداشت ہوجاتا ہے وہ چپ چاپ گھر کی راہ لیتا جس سے سورش کی شدت میں کمی آ گئی۔

اس جنگ کے اثرات نہایت دوررس تھے مسلمانوں کی دھاک سکھوں پر بیٹھ گئی سکھوں میں ہر شخص کی زبان پر یہ بات تھی کہ ہم نے سید صاحب کے غازیوں جیسے جوانمرد نہ دیکھے نہ سنے۔ اہل سرحد پر یہ اثر ہوا کہ وہ جوق درجوق سید صاحب سے بیعت جہاد کرنے لگے۔ [۱]

جنگ شیدو:

یہ جنگ بیعت امامت جہاد کی تکمیل کے بعد لڑی گئی جس میں مسلمان مجاہدین کی تعداد ایک لاکھ سے زائد تھی کیونکہ تمام سرحدی خوانین اور سرداران پشاور متحد ہوکر لشکر مجاہدین کے جھنڈے تلے جمع ہو گئے تھے۔ آغاز جنگ میں مجاہدین نے بڑھ چڑھ کر حملے کئے اور سکھوں کو ہزیمت اٹھانے پر مجبور کردیا اور مسلمانوں کی فتح قریب تھی یہاں تک لوگ سید صاحب کو فتح کی مبارکبادی پیش کرنے لگے لیکن سردار یار محمد خان کی ایک رنج افزا حرکت نے اچانک اس فتح کو مصیبت خیز شکست میں تبدیل کردیا۔ ہوا یوں کہ یار محمد نے سکھوں سے سازباز کرلی تھی اور اس نے لڑائی میں قطعاً حصہ نہ لیا اور جس وقت مسلمانوں کی فتح یقینی نظر آرہی تھی اچانک راہ فرار اختیار کیا محض یہی نہیں بلکہ لشکر میں گھوم گھوم کر اس فرار کی اشاعت بھی کرادی بنابریں سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں بھی اپنے اپنے لشکروں کے ساتھ بے تحاشا بھاگ کھڑے ہوئے پھر کیا تھا جس نے بھی فرار کا لفظ سنا بھاگنا شروع کردیا، سرحدیوں میں سے اگر کوئی تھا تو وہ گوڈڑی شہزادہ جس نے اپنے لشکر کے ساتھ آخری دم تک سکھوں کا مقابلہ کیا اور جام شہادت نوش فرمایا، ان کے متعلق منظورہ میں ہے کہ ’’رستمانہ شجاعت سے کام لیتے ہوئے بہت سے دشمنوں کو موت کے گھاٹ اتارا۔ اپنی جماعت کے ساتھ جو استقامت میں سیسہ پلائی ہوئی دیوار کی حیثیت رکھتی تھی قدم جما کر دادِ شجاعت دی اور جنت لے کر جان جاں آفریں کے حوالے کیا‘‘۔

سید صاحب ایک مقام پر اس جنگ کی اجمالی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مجاہدین اخیار ایک سے زیادہ مرتبہ سکھوں پر مظفر ومنصور ہوئے لیکن چند منافقوں کی مداخلت کے باعث انھیں گزند پہونچا الحمدللہ کہ مومنوں کی ہمت عالیہ میں قصور وفتور کو راہ نہ ملی۔ [۲]

اس جنگ میں شہداء کی تعداد تقریباً ٦/ ہزار تک پہونچتی ہے یہ پاک خون صرف یار محمد خاں کی خیانت کے باعث رائیگاں گیا۔ [۳]

---

[۱] ملخص از سید احمد شہید [۲] مکاتیب شاہ صاحب ص:۳۰ بحوالہ سید احمد شہید

[۳] ملخص از سید احمد شہید

جنگ ہنڈ:

جنگ شیدو کے بعد ڈمگہ اور شنکباری کے معرکے شاہ شہید کی سرکردگی میں سکھوں سے ہوئے اور جنگ اوتمان زئی جو درانی سرداروں کی سرکشی کی وجہ سے انھیں سبق سکھانے کے لئے لڑی گئی یہ جنگ دراصل پشاور کی جانب پیش قدمی تھی اور اس پر قبضہ بھی تقریبا ہو چکا تھا کہ اہل سرحد میں پھوٹ پڑ گئی اور مراجعت کرنی پڑی اس کے بعد دنتورا کی وجہ سے جنگ پنجتار پیش آئی جو رنجیت سنگھ کی جانب سے خراج کی وصولی پر مامور تھا جو جانبین کی چند جھڑپوں کے بعد ختم ہوگئی۔

جنگ ہنڈ خادے خاں رئیس ہنڈ کے قلع قمع کرنے کے لئے لڑی گئی یہ حالات کے دھارے تھے جو اپنوں سے لڑنے پر مجبور کر رہے تھے خادے خاں کو شکایت یہ تھی کہ سید صاحب نے ہنڈ چھوڑ کر پنجتار کا مرکز جہاد بنا لیا تھا اور پنجتار کے رئیس فتح خاں کو اس تحریک میں مرکزی حیثیت مل گئی تھی جس کی بناء پر وہ بار بار انتباہ کے باوجود مخالفت پر آمادہ ہوگیا یہاں تک کہ سکھوں کو ترغیب دے کر کئی بار اہل سمہ کے لئے مصیبتیں پیدا کیا اور اجرائے شریعت کی مخالفت بھی کرنے لگا تھا۔ بنا بریں ہنڈ پر بادل ناخواستہ لشکر کشی کرنی پڑی اور نہایت ہی اخفاء اور پوشیدگی کے ساتھ اس مہم کو سر کیا گیا جس میں مجاہدین کو بھی علم نہ تھا کہ کدھر لشکر کشی ہونے والی ہے بالآخر خادے خاں کو قتل کر دیا گیا اور کسی سے تعارض نہ کیا گیا۔[1]

جنگ زیدہ:

اس جنگ کو برپا کرنے میں خادے خاں کے بھائی امیر خاں کا اہم کردار رہا جس نے یار محمد خاں کو دس بارہ ہزار روپیہ دے کر ہنڈ پر لشکر کشی پر آمادہ کر لیا، امیر خاں اپنے بھائی کا انتقام لینا چاہتا تھا اور یار محمد خاں پر اس کا حرص وطمع اور مفاد غالب آ گیا تھا بالآخر یار محمد خاں نے ہنڈ پر چڑھائی کر دی، خاں کی خواہش تھی کی مجاہدین کو اچانک آ لے لیکن جیسے ہی قلعہ کے کچھ قریب پہونچے مجاہدین کی نظر پڑ گئی چنانچہ شاہ شہید صاحب نے مجاہدین کی ایک ٹولی کو قلعہ سے باہر گنے کے کھیت میں گھات پر بیٹھا دیا جب یار محمد خاں کا لشکر قلعہ کے قریب پہونچا مجاہدین ان کے سر پر بجلی بن کر گرے، اس کے بعد درانی لشکر ہریانے میں خیمہ زن ہوا اس دوران مصالحت کی کوشش بھی کی گئی لیکن خان کے متکبرانہ جواب نے اسے ناکام بنا دیا۔

امیر المؤمنین نے شب خون مارنے کا حکم دیا شاہ صاحب تقریباً آٹھ سو مجاہدین کو لے کر نکلے اور رات کے اندھیرے میں ان پر آفت بن کر ٹوٹ پڑے چھ توپیں اور شاہینوں پر قبضہ کر لیا، درانی پاؤں کی جوتیاں تک چھوڑ کر بھاگ گئے، یار محمد خاں کو کاری زخم لگا اور وہ پشاور پہونچنے سے پہلے مر گیا اس کے سات بڑے بڑے سردار اور تین سو کے قریب لشکری مقتول ہوئے چار مجاہدین شہید اور سات زخمی ہوئے۔ غنیمت میں چھ توپیں آٹھ شاہین چالیس قطار اونٹ اور ایک ہاتھی ملا باقی وہ ملکی اور ولایتی لے گئے جو فتح کی خبر سن کر آ گئے تھے۔

خادے خاں کا بھائی امیر خاں جنگ کے بعد حاضر ہوا اور درخواست کیا کہ فلاں دیہات جو میری ملکیت ہے اب

---

[1] ملخص از سید احمد شہید

دوسروں کے قبضے میں ہے اس کے لئے ایک شقہ لکھ دیں تا کہ مجھے دوبارہ مل جائے سید صاحب نے کہا کہ کچھ دن میرے ساتھ رہو اور بیعت و توبہ کر لو تب میں لکھ دوں گا لیکن وہ وہاں سے چلا گیا اور ایک جعلی تحریری بنوا کر اپنے لشکر کے ساتھ اس دیہات میں گیا دیہات والوں نے اس کا مقابلہ کیا اور اس کو قتل کر دیا۔ [1]

جنگ مایار:

جنگ زیدہ اور مایار کے درمیان دو جنگ امب اور پھولڑے میں پائندہ خاں کے خلاف لڑی گئیں جو پائندہ خاں کی مصالحت پر ختم ہوئیں اس کے بعد یار محمد خاں کا انتقام لینے کی غرض سے اس کا بھائی سلطان محمد خاں پشاور سے چڑھ آیا، سید صاحب نے لاکھ مصالحت کی کوشش کی لیکن کارگر نہ ثابت ہوئیں درانیوں کی لشکر کے ساتھ سردار سلطان محمد خاں کے علاوہ سردار پیر محمد خاں، سردار سید محمد خاں اور عظیم خاں کا بیٹا حبیب اللہ خاں بھی تھے جنگ کی ابتداء سے قبل مذکورہ چاروں سرداروں نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ہم سید کے مقابلے میں کسی طرح منھ نہ موڑیں گے اور اپنے تمام مشیروں افسروں اور لشکریوں سے بھی اسی طرح کی قسم دلائی، درانیوں کی لشکر میں تقریباً چار ہزار پیادے اور آٹھ ہزار سوار تھے سید صاحب کے ہمراہی اس وقت ہندی و ملکی ملا کر تین ہزار پیادے اور پانچ سو سوار تھے۔

اس جنگ میں مجاہدین کا جذبۂ ایمانی اور شجاعت کا عجیب نظارہ تھا ہر ایک شہادت کی آرزو دل میں سجائے ہوئے کشاں کشاں میدان جنگ کی طرف چلا جا رہا تھا اگر کسی کو اپنی نیت میں کچھ فتور نظر آتا تو نئے سرے سے اخلاص وللّٰہیت پر بیعت کرتا تھا بہر حال گھمسان کی جنگ ہوئی مجاہدین نے کھل کر اپنے ہاتھ دکھائے سید صاحب اس جنگ میں دو دو بندوق ایک ساتھ چلا رہے تھے، چہرے پر خوف و ہراس کا نام نہ تھا، شیخ مولا بخش الہ آبادی نے توپ کے ذریعہ دشمنوں کے دانت کھٹے کر دیئے اور انھیں پسپائی پر مجبور کر دیا، اس جنگ میں چالیس مجاہدین نے جام شہادت نوش فرمایا اور بہت سے زخمی ہوئے۔ [2]

جنگ بالاکوٹ:

ملک سمہ میں اپنوں کی غداری اور عہد شکنی کا جو زخم لگا سید صاحب اسے برداشت نہ کر سکے اور ہجرت ثانیہ کا قصد کیا اور بالاکوٹ کو مستقر کے لئے منتخب فرمایا جہاں سلطان زبردست حال سردار سلطان نجف خاں گھوڑی والے راجہ مظفر خاں اور حبیب اللہ خاں (گڑھی حبیب اللہ) اپنی جلاوطنی اور شہر بدری کی زندگی کاٹ رہے تھے سید صاحب نے ان سب کو مدد دینے اور ان کی حمایت اور فوجی طاقت حاصل کرنے اور کشمیر کی طرف بڑھنے کے لئے مقام بالاکوٹ کا انتخاب کیا تھا کشمیر کی تسخیر کا فیصلہ آپ بہت پہلے کر چکے تھے۔ لیکن حالات کی ناسازگاری اس کی اجازت نہیں دے رہی تھی۔

بالاکوٹ روانگی سے قبل سید صاحب نے شاہ اسماعیل اور مولوی خیر الدین کو بالاکوٹ بھیجا اور مقام پچوں میں مقیم رہے یہیں آپ کو اطلاع ملی کہ مظفر آباد کے سکھوں نے پشاور سے کمک طلب کیا ہے اور وہ مجاہدین سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں

---

[1] ملخص از سیرت سید احمد شہید ج:۲ [2] ملخص از سیرت سید احمد شہید ج:۲

سید صاحب نے شاہ اسماعیل کو پچھوں طلب کیا اور باہمی صلاح ومشورہ کے بعد بالاکوٹ کوچ کرنا طے پایا۔ ۵/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو آپ نے مع لشکر پچھوں سے کوچ کی تیاری کی بالاکوٹ میں مولانا اسماعیل صاحب نے وہاں موجود غازیوں کو لے کر آپ کا استقبال کیا۔

شیر سنگھ دریائے کنھار کے مشرقی کنارے بالاکوٹ سے دو ڈھائی کوس پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ سید صاحب نے تمام ان راستوں پر حفاظتی دستہ متعین کیا ہے جدھر سے حملے کا امکان تھا ایک دن شیر سنگھ نے لکڑیوں کا پل بنوا کر دریا کو عبور کیا اور بڑی چابکدستی سے مٹی کوٹ پر قابض ہو گیا، دریں اثنا سلطان نجف خاں (گھوڑے والا کے علاوہ دوسرا) کا خط سید صاحب کے پاس پہونچا یہی وہ شخص تھا جس کے ایما پر سکھ بالاکوٹ تک چڑھ آئے تھے جس میں اس نے لکھا تھا کہ میں سکھوں کو آپ کے مقابلے کے لئے نہیں بلکہ مظفر آباد کے لئے لایا ہوں میں آپ کا خیر خواہ ہوں اور اس کے بعد آپ کو بچنے کی مختلف تدبیریں اور سکھوں کے خلاف سازباز کی دعوت دی تھی آپ نے باہمی مشورہ کے بعد فرمایا کہ اسی میدان میں لاہور ہے اسی میں جنت ہے۔

کل صبح اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے یعنی ہم جنگ کریں گے اگر فتح ہوگی تو لاہور قدموں میں ہوگا اور اگر خدانخواستہ شکست سے دوچار ہوئے تو شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوں گے اور جنت ہاتھ آئے گی، آپ نے جنگ سے ایک روز قبل تمام غازیوں کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بھائیو! آج رات کو اپنے پروردگار سے بکمال اخلاص توبہ و استغفار کرو اور گناہوں کی بخشش چاہو یہی وقت فرصت کا ہے، کل صبح کو کفار سے مقابلہ ہے خدا جانے کس کی شہادت ہے اور کون زندہ رہے'' مجاہدین باہم ایک دوسرے سے اپنی غلطیوں اور کوتاہیوں کی معافی تلافی کر رہے تھے۔ سید صاحب نے جنگ سے قبل ایک مخصوص لباس زیب تن فرمایا۔ ۱۴/ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو نماز اشراق پڑھ کر وضو کر کے سرمہ لگایا، داڑھیوں میں کنگھی کی اور ہتھیار بند ہو کر کے مسجد سے نکلے، سکھوں کو آپ نے قریب آنے کا موقع دیا اور پھر اچانک نعرۂ تکبیر کے ساتھ حملہ آور ہوئے، ابتداء میں مجاہدین کا غلبہ اور سکھوں کی پسپائی ہوئی۔ تمام سکھ شکست خوردہ ہو کر پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور مجاہدین پہاڑ کی جڑ تک پہونچ گئے اور سکھوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے تھے اور تلواریں مار مار کر مردار کرتے تھے۔ اسی اثناء میں لوگوں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو سید صاحب نظر سے غائب تھے سب کو تشویش ہوا اور اکثر غازی آپ کی تلاش میں لگ گئے۔

سکھوں کی شکست خوردہ فوج جب پہاڑ کی جانب بڑھی تو سکھ لشکر کا سردار شیر سنگھ جو اوپر بیٹھا ہوا تھا، سکھوں کو للکارا کہ کہاں بھاگے جاتے ہو لاہور بہت دور ہے، چنانچہ سکھ پلٹے اور مجاہدین پر ٹوٹ پڑے مجاہدین کی اکثریت چونکہ لڑائی چھوڑ کر سید صاحب کی تلاش میں سرگرداں تھی، لہذا مجاہدین کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا جنگ بالاکوٹ میں تین سو سے زائد مجاہدین شہید ہوئے اور تحریک کے نامور اور کارآزمودہ ہستیاں اس جنگ میں کام آگئیں۔

سید ابوالحسن علی ندوی نے اپنی کتاب سیرت سید احمد شہید ج/۲ میں ۱۴۴/ شہداء کے نام ذکر کئے ہیں۔ [۱] (جاری)

☆☆☆

---

[۱] ملخص از سیرت سید احمد شہید ج:۲

جامعہ اسلامیہ مدینۃ الرسول ﷺ میں ابناء جامعہ سلفیہ بنارس

عالم اسلام کی مشہور یونیورسٹی ''جامعہ اسلامیہ'' مدینہ طیبہ میں متخرجین جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس پر مشتمل جمعیت بنام ''ابناء جامعہ سلفیہ'' ماضی سے اپنا رشتہ قرار رکھتے ہوئے سرگرم عمل ہے، ہمیں یہ اطلاع دیتے ہوئے خوشی محسوس ہو رہی ہے کہ الحمدللہ فی الحال سلفی ابناء کی تعداد جامعہ اسلامیہ میں ۳۵ ہے، جو مختلف تعلیمی مراحل سے منسلک ہیں، جس کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے:

ثانویہ میں (۲)، معہد اللغۃ العربیۃ میں (۱)۔

مرحلۂ جامعیہ: کلیۃ الشریعہ میں (۷)، کلیۃ الدعوہ میں (۵)، کلیۃ الحدیث میں (۷)، کلیۃ القرآن میں (۱)، کلیۃ اللغہ میں (۱)۔

مرحلۂ دراسات علیا (ڈپلوم): ڈپلوم دعوہ میں (۱)۔

مرحلۂ دراسات علیا (ماجستیر): علوم الحدیث میں (۲)، لغویات میں (۱)، عقیدہ میں (۲)، فقہ میں (۱)۔

مرحلۂ دراسات علیا (دکتوراہ): عقیدہ میں (۱)، ادب وبلاغہ میں (۲)، اصول فقہ میں (۱)۔

سلفی اخوان دوران تعلیم حسب ضرورت اپنے نظام کے مطابق مختلف مجالس منعقد کرتے ہیں، جن کے چند اہم مقاصد درج ذیل ہیں:

☆ ابنائے جامعہ سلفیہ کے درمیان باہمی تعارف واخوت کو برقرار رکھنا تاکہ ہر ایک دوسرے کے رنج وغم اور فرحت وسرور میں شریک ہو، اور باہمی تعاون قائم رہے۔

☆ ابناء کی علمی وثقافتی نشاطات کو برقرار رکھتے ہوئے اس میں مزید ترقی کی جدوجہد۔

☆ ابناء کی نشستوں میں علماء سلف کی حیات وخدمات کو اجاگر کرنا تاکہ ابناء جامعہ کو اپنے علمی سفر میں ان سے رہنمائی مل سکے۔

☆ جامعہ اسلامیہ میں ذمہ داران واساتذہ جامعہ سلفیہ کی آمد پر ان کے پند ونصائح اور مشوروں سے استفادہ کی غرض سے استقبالیہ مجالس کا انعقاد۔

☆ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) کی ترقی کے لئے حسب استطاعت کوشش، جس کا محور جامعہ کے مرکزی مکتبہ اور ندوۃ الطلبہ کی لائبریری کے لئے کتابوں کی خریداری وفراہمی ہے، جس کی تعمیل بحمداللہ اس سال بھی ہو چکی ہے۔

مندرجہ بالا مقاصد کے مدنظر تعلیمی سال رواں ۱۴۳۰ھ، ۱۴۳۱ھ میں تین مجالس کا انعقاد کیا گیا، جن کی مختصر روداد پیش ہے:

پہلی نشست:

تاریخ انعقاد: ۹/ذوالقعدہ ۱۴۳۰ھ بروز بدھ۔

بوقت: بعد نماز عشاء۔

زیر صدارت: شیخ منصور عالم بن عبدالمجید (کلیۃ اللغہ، ماجستیر قسم اللغویات) حفظہ اللہ۔

ایجنڈا:

= جدید اخوان کا استقبال۔

= قدیم وجدید اخوان کا باہمی تعارف۔
= تعلیمی خصوصاً تحریری وثقافتی نشاطات پر غور وخوض۔
= ڈاکٹر عبید الرحمٰن حفظہ اللہ کے جامعہ اسلامیہ سے تخرج کی مناسبت سے الوداعی کلمات وہدیہ تہنیت۔
= دیگر اہم امور پر تبادلہ خیال۔

مجلس کی ابتداء تلاوت کلام پاک سے ہوئی، تلاوت کے بعد ناظم جمعیت سلمان احمد سراج احمد نے ''جمعیت ابناء جامعہ سلفیہ'' کے اغراض ومقاصد پر روشنی ڈالی نیز استقبالیہ کلمات کے ساتھ مفید اور کارآمد پند ونصائح سے نوازا، پھر سال رواں کے لئے تیار کردہ خاکہ پر اجمالی روشنی ڈالی۔

ایجنڈا کے مندرجہ بالا نقاط پر گفت وشنید کے بعد نائب صدر ''جمعیت ابناء جامعہ سلفیہ'' فضیلۃ الاخ عبدالغنی القوفی بن ثناء اللہ (کلیۃ اللغہ، دکتورہ رقسم الادب والبلاغہ) حفظہ اللہ نے صدر ''جمعیت ابناء جامعہ سلفیہ'' ڈاکٹر عبید الرحمٰن حفظہ اللہ کے جامعہ اسلامیہ سے تعلیمی مراحل کی تکمیل پر ہدیہ تہنیت پیش کرتے ہوئے ابناء جامعہ، جامعہ اسلامیہ اور جماعت اہل حدیث سے متعلق ان کی خدمات کا ذکر کیا اور اللہ رب العالمین سے ان کے لئے اچھے مستقبل کی دعا کی۔

بعدہ فضیلۃ الاخ امان اللہ بن محمد اسماعیل (کلیۃ الدعوۃ، دکتوراہ رقسم العقیدہ) نے بھی ڈاکٹر حفظہ اللہ کی شخصیت پر روشنی ڈالی اور ہم نو آموزان راہ کے لئے ان کی شخصیت کو ایک آئیڈیل اور نمونہ قرار دیا۔

مجلس کا اختتام ڈاکٹر صاحب کے کلمات سے ہوا، جس میں انہوں نے کہا کہ جامعہ اسلامیہ میں داخلہ کی حقیقی لذت اس میں داخلہ پانے والا یا متخرج طالب ہی محسوس کر سکتا ہے، لہذا اس عظیم نعمت کی قدر کرتے ہوئے ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم علمی وعملی میدان میں سرگرم عمل رہیں، کیوں کہ بابرکت علم وہ ہے جو عمل کے ساتھ ہو، بے عملی کے ساتھ حاصل شدہ علم کبھی بابرکت نہیں ہو سکتا۔ صحبت صالح کا انتخاب، اساتذہ سے اچھے تعلقات اور ان کا ادب واحترام، عملی میدان میں جہد مسلسل کے ساتھ بغض وحسد سے دل کی صفائی وغیرہ امور کی طرف، ہماری توجہ دلائی جو کہ حصول علم کی راہ میں از حد ضروری ہیں۔

دوسری نشست:

تاریخ انعقاد: ۶ محرم ۱۴۳۱ھ بروز بدھ۔

بوقت: بعد نماز عشاء۔

موضوع: ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ حیات وخدمات۔

زیر صدارت: فضیلۃ الاخ عبدالغنی القوفی بن ثناء اللہ حفظہ اللہ۔

ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ کا انتقال جماعت اہل حدیث، جامعہ سلفیہ اور اس کے ابناء کے لئے ایک عظیم سانحہ ہے، ڈاکٹر علیہ الرحمۃ کے انتقال کی خبر ابناء جامعہ کے دلوں پر بجلی بن کر گری اور غم والم کی حالت میں برادر ذی قدر صدر ''جمعیت ابناء جامعہ سلفیہ'' عبدالغنی القوفی حفظہ اللہ کی امامت میں مسجد نبوی کی صحن میں باب الرحمہ کے پاس بعد نماز مغرب آپ کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی گئی جس میں برصغیر ہند کے طلبہ کی کثیر تعداد موجود تھی۔ اللھم اغفرله وارحمه و عافه واعف عنه۔

''جمعیت ابناء جامعہ سلفیہ'' نے ایک نشست منعقد کی جس میں موقع کی مناسبت سے ازہری علیہ الرحمہ کی شخصیت اور ان کی خدمات پر روشنی ڈالی گئی۔

مجلس کا آغاز برادرم عبدالصبور بن ابوبکر (کلیۃ الحدیث، ماجستیر قسم علوم الحدیث) نے تلاوت قرآن کریم سے کیا۔ تلاوت قرآن کے بعد ناظم جمعیت فضیلۃ الاخ سلمان احمد سراج احمد (کلیۃ الدعوۃ واصول الدین، ماجستیر قسم العقیدہ) نے افتتاحی کلمات پیش کئے، جس میں انہوں نے جامعہ سلفیہ کی تاسیس اور اس کے اغراض ومقاصد کا ذکر کرتے ہوئے اس کو بام عروج تک پہونچانے والی عظیم شخصیتوں پر روشنی ڈالی اور جامعہ کی ترقی کے لئے ڈاکٹر مقتدی حسن ازہری اور مولانا محمد رئیس ندوی رحمہما اللہ کی خدمات کا بھی تذکرہ کیا نیز اسی ضمن میں ندوی رحمہ اللہ کی شخصیت پر گفتگو مؤخر کرکے ازہری رحمہ اللہ کی شخصیت کو مقدم کرنے کے سبب کی طرف توجہ دلاتے ہوئے کہا کہ چونکہ ندوی علیہ الرحمہ کے انتقال کے موقع پر جامعہ اسلامیہ میں منعقد کانفرنس میں جامعہ ہذا سے فیضیاب جامعہ سلفیہ کے بعض اساتذہ مدعو تھے، چنانچہ ناظم مرکزی جمعیت اہلحدیث ہند مولانا اصغر علی امام مہدی سلفی حفظہ اللہ کی امامت میں آپ کی نماز جنازہ غابانہ ادا کی گئی، جس میں کانفرنس میں مدعو ہند و نیپال کے اکثر علماء کرام، برصغیر ہند کے طلبہ کی ایک بڑی جماعت اور سعودیہ عربیہ میں مقیم حضرات کی معتد بہ تعداد نے شرکت کی تھی، موقع کی مناسبت سے ابناء جامعہ سلفیہ نے ایک مجلس کا انعقاد کیا تھا جس میں ندوی علیہ الرحمہ کی شخصیت پر روشنی ڈالی گئی تھی اور اس مجلس میں ناظم جمعیت اہلحدیث ہند مولانا اصغر علی امام مہدی اور مولانا احسن جمیل مدنی حفظہما اللہ نے آپ کی شخصیت پر کافی مفید روشنی ڈالی، اب جب کہ ندوی رحمہ اللہ کے تعلق سے ایک اتفاقیہ مجلس منعقد ہو چکی تھی تو مناسب معلوم ہوا کہ اولا ازہری رحمہ اللہ کی شخصیت مجلس کا موضوع رہے اور یہ کہ اگلی نشست کا موضوع ''ندوی رحمہ اللہ علیہ اپنی بعض تالیفات کی روشنی میں'' ہوگا۔ اس کے بعد برادرم نے ازہری رحمہ اللہ کا مختصر سوانحی خاکہ بھی پیش کیا۔

افتتاحی کلمات کے بعد ابنائے جامعہ نے اپنے اپنے مقالے پیش کئے جن میں عبدالغنی القوفی، امان اللہ بن اسماعیل، حشر الدین عبدالشہید، عبداللطیف بن محمد علی، امیر الاسلام بن بحر الحق، عبدالاحد بن احسن جمیل اور محمد اظہر بن اصغر علی کے نام شامل ہیں۔

مقالات کے بعد بعض اخوان نے ازہری رحمہ اللہ کے متعلق اپنے زبانی تاثرات پیش کئے، بعدہ بفضلہٖ تعالیٰ یہ مجلس بحسن وخوبی اپنے اختتام کو پہنچی۔

رب العالمین استاذ محترم کی تمام چھوٹی بڑی خطائیں درگذر فرما کر انہیں حسنات میں تبدیل کردے نیز ان کی تدریسی، تصنیفی اور دعوتی خدمات کو قبول فرما کر دخول جنت کا ذریعہ بنائے۔ آمین۔

تیسری نشست:

تاریخ انعقاد: ۱۷/ربیع الآخر ۱۴۱۳ھ بروز جمعرات۔

بوقت: بعد نماز عصر۔

موضوع: ''شیخ الحدیث محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ اپنی بعض تالیفات کے آئینے میں''

زیر صدارت: برادر مکرم عبدالغنی القوفی بن ثناء اللہ حفظہ اللہ۔

مولانا محمد رئیس ندوی رحمہ اللہ کی شخصیت جامعہ سلفیہ کے لئے گوہر نایاب سے کم نہ تھی، آپ اپنی عمر عزیز کا طویل عرصہ درس

وتدریس اور تصنیف وتالیف میں گزار دیا۔

مجلس کا آغاز برادرم عبدالصبور نے تلاوت کلام پاک سے کیا۔ اس کے بعد ناظم ابناء کی طرف سے برادرم عبدالصبور اور عبد اللطیف کو ہدیہ تہنیت اور مبارکبادی پیش کی گئی، ان دونوں برادران نے سعودی عرب میں یونیورسٹی سطح کے طلبہ وطالبات کے مابین منعقد ہونے والے انعامی تحریری مقابلہ میں حصہ لیا تھا جس میں برادرم عبدالصبور چوتھی پوزیشن حاصل کی اور گراں قدر نقد انعام سے نوازے گئے، اور برادرم عبداللطیف کانفرنس میں شرکت کے مستحق ٹھہرے۔ اس کے بعد امین البرید کے عہدے کے لئے محمد عزیر بن ثناء اللہ اور ان کے نائب کے طور پر ابوالوفاء بن محمد لیث اور بطور رپورٹر شمیم احمد بن محمد ابراہیم کا انتخاب عمل میں آیا۔

مذکورہ بالا امور کے بعد اصل موضوع پر کاروائی شروع ہوئی۔ ناظم ابناء نے افتتاحی کلمات اور ندوی رحمہ اللہ کا مختصر سوانحی خاکہ پیش کیا۔

اس مجلس میں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذخیرۂ تالیفات میں سے تین مشہور کتابیں ''ضمیر کا بحران''، ''تاریخ اھلحدیث ھند'' اور ''مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ'' منتخب کرکے ان پر تبصرہ مجلس کا موضوع قرار پایا تھا۔

''ضمیر کا بحران'' پر تبصرہ برادرم محمد نسیم عبدالجلیل (کلیۃ الشریعہ، ماجستیر رقسم الفقہ) نے پیش کیا، جبکہ ''تاریخ اھل حدیث ھند'' پر تبصرہ لکھنے کا بار برادرم سلمان احمد بن سراج احمد نے اٹھایا۔ تبصرہ کے لیے منتخب کردہ تیسری کتاب ''مجموعہ مقالات پر سلفی تحقیقی جائزہ'' کے مختلف اجزاء ابناء کے درمیان تقسیم کرکے انہیں ان پر تبصرہ لکھنے کا مکلّف ٹھہرایا گیا تھا، الحمدللہ اکثر اخوان نے اپنی ذمہ داریاں پورے طور پر انجام دیں، اور تبصرے کا سلسلہ طویل وقت تک قائم رہا، خطبہ کتاب وتمہید پر جناب عبدالغنی حفظہ اللہ نے تبصرہ پیش کیا، اسی طرح کتاب کے مختلف اجزاء پر تبصرہ پیش کرنے میں عبدالصبور ابوبکر، عبدالحی عبدالحمید، امان اللہ عبدالرؤوف، شمیم احمد محمد ابراہیم، عبدالحلیم بسم اللہ، محمد اطہر عبدالرحیم، حفظ الرحمٰن محمد مصطفیٰ، اسعد ابرہیم محمد ابراہیم، محمد ارشد محمد یونس، عبداللطیف محمد علی اور خورشید عالم جمیل احمد کے اسماء گرامی شامل ہیں۔ نیز برادرم صفی الرحمٰن عبدالسبحان بھی کتاب کے منتخب اجزاء پر اپنا تبصرہ سپرد قلم کیا ہے۔

سلسلۂ تبصرہ کے اختتام پر جناب امان اللہ عبدالرؤوف کی تیار کردہ نظم ''قوم کی آنکھوں کے تارے باری باری چل پڑے'' کے پر اثر اشعار جناب محمد ارشد محمد یونس (کلیۃ الدعوۃ، ماجستیر رقسم العقیدہ) نے اپنی دلکش اور مسحور کن آواز میں گنگنایا۔

مجلس کا اختتام جناب عبدالغنی حفظہ اللہ کے صدارتی کلمات سے ہوا۔ مجلس کا آغاز نماز عصر کے بعد ہوا تھا اور رات کے تقریبا بارہ بجے اختتام پذیر ہوئی۔

اللہ رب العالمین استاذ محترم کی تدریسی، تصنیفی اور دعوتی خدمات کو قبول فرمائے، جو آپ کے لئے ذخیرۂ آخرت اور دخول جنت کا سبب ہوں۔ آمین۔

سال رواں کے تیار کردہ لائحہ عمل کے مطابق سال رواں کی آخری نشست کا انعقاد باقی ہے، جس میں حسب روایت ذمہ داران کا جدید انتخاب روبہ عمل لایا جاتا ہے، نیز سال بھر کی مختصر روداد اور متخرجین ابناء کے لئے وداعیہ کلمات پیش کیے جاتے ہیں۔

اللہ رب العالمین ابناء جامعہ سلفیہ کی سرگرمیوں میں ترقی کے ساتھ اخلاص عمل کی توفیق بخشے۔ آمین۔ ☆

(رپورٹنگ: شمیم احمد محمد ابراہیم/ جامعہ اسلامیہ، مدینہ منورہ)

خانوادۂ صاحب مرعاۃ مبارکپوریؒ کوصدمہ

راشد حسن فضل حق/متعلم جامعہ سلفیہ بنارس

سرزمین اعظم گڈھ علم حدیث ورجال، فقہ وتراجم، تاریخ وسیر، علم وادب، شعور وآگہی، تہذیب وثقافت کے حوالے سے آسمان علم وفضل پرتابندہ ودرخشندہ ستارہ ہے۔ علمی حلقوں میں ’’قال المبارکفوری‘‘ کوجومقام حاصل ہے، شاید ہی ہندوستان کی کسی دوسری سرزمین کے لئے یہ اس قدر موزوں ہو، محدث کبیر علامہ عبدالرحمان مبارکپوریؒ صاحب تحفہ، محدث جلیل علامہ عبیداللہ مبارکپوریؒ وغیرھما کا اسم گرامی اس سرزمین کی عظمت وتقدس کے لئے کافی ہے، ان ہستیوں کے اس دارفانی سے مٹ جانے کے بعد بھی ان کے آثارونقوش اسی طرح تاباں وروشن ہیں، جس طرح ان کی زندگی میں تھے۔ علامہ اقبال سہیل نے کہا تھا...

جوذرہ یہاں سے اٹھتا ہے وہ نیر اعظم ہوتا ہے

انسانی حیات مستعار کے ایام بہت مختصر ہیں، انہیں مختصر ایام میں انسان حسب استطاعت اعمال انجام دیتا ہے، کچھ کوزمانے کی گردشیں مٹادیتی ہیں، اور کچھ ایسے ہوتے ہیں جواپنے علمی کارناموں کی وجہ سے تاریخ پر گہرے اثرات مرتب کرتے ہیں، انہیں برگزیدہ اشخاص واعلام میں جدنا شیخ الحدیث علامہ عبیداللہ رحمانی مبارکپوری تھے، ابھی دو مہینے قبل ۱۵/ جولائی ۲۰۱۰ء کوآپ کے سب سے بڑے بیٹے جناب مولانا فضل الباری رحمہ اللہ کا ایک مختصر سی علالت کے بعد تقریباً ۸۳/ برس کی عمر میں انتقال ہوگیا، یہ خبر جماعتی حلقوں میں بڑے افسوس کے ساتھ سنی گئی، مرحوم عابدوزاہد اور باعمل عالم دین تھے، ذیل میں ان کی زندگی پر مختصر سی روشنی ڈالنے کی کوشش کی جارہی ہے۔

آپ کا نام فضل الباری بن علامہ عبیداللہ رحمانی بن علامہ عبدالسلام رحمانی مبارکپوریؒ مصنف ’’سیرۃ البخاری‘‘، آپ کی پیدائش ۱۳۴۸ھ میں ہوئی۔

ابتدائی تعلیم ناظرہ قرآن کریم اور چند دینی کتابیں اپنے گھر پر والدہ مرحومہ سے حاصل کی، پرائمری تعلیم درجہ دوم سے پنجم تک مدرسہ عربیہ دارالتعلیم مبارکپور میں مکمل کی، پھر عربی تعلیم کے لئے وقت کے سب سے عظیم اور تاریخی ادارہ، منہج سلف کی دلکش یادگار جامعہ رحمانیہ دہلی کا رخ کیا، چوتھی جماعت تک کی تعلیم مکمل کی، گویا وہاں بلوغ المرام، فقہ، مبادی فقہ، علوم الحدیث، مصطلحات، ترجمہ قرآن وغیرہ کے علاوہ ترمذی تک کی تعلیم حاصل کی، ابھی قافلہ تعلیم رواں دواں تھا کہ کچھ گھریلو عوامل کی آہنی دیوار سامنے آگئی، جس کی وجہ سے آپ کو تعلیم ترک کرنا پڑی، لہذا آپ وہیں سے تعلیم چھوڑ کر گھر پر بنارسی ساڑیوں کے کاروبار میں منہمک ہوگئے، اوردوبارہ تعلیم کا موقع نہ مل سکا، لیکن آپ کا مطالعہ جاری رہا، آپ جامعہ رحمانیہ دہلی سے سند فراغت تو نہ حاصل کرسکے، البتہ اس وقت جامعہ کی تعلیم میں اس قدر قوت، مضبوطی و پائیداری تھی، کہ جس کی وجہ سے آپ دین کے بیشتر مسائل پر خاصی نظر رکھتے تھے، اگر آپ کو مزید تعلیم کا موقع ملتا، اورتوفیق الہی ساتھ ہوتی تو یقیناً آپ ایک اچھے اور عظیم عالم ہوتے، بہرحال جس قدر بھی آپ کو علم کا حصہ ملا، آپ نے زندگی کی آخری سانسوں تک قوت عمل سے اسے زندہ وتابندہ رکھا، (1956) کی بات ہے، مبارکپور میں ایک قسم کی کاروباری تباہی و بربادی اور قحط سالی آئی، اس کے اسباب مختلف ہوسکتے ہیں، چنانچہ فکر معاش میں لوگ ادھر ادھر کا رخ کرنے لگے، آپ بھی تلاش معاش میں مہاراشٹر کے مشہور اور صنعتی شہر مالیگاؤں چلے گئے، اور وہیں آل اولاد کے

ساتھ مستقل بود باش اختیار کرلی، طویل عرصہ کے بعد والد گرامی شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے بار بار تحریض واصرار پر وہاں سے 1973ء کے اواخر میں اپنے وطن مالوف مبارکپور آگئے، اور ایک بار پھر سے ''ریشمی ساڑیوں'' کے کاروبار کو وسعت دی، اور ایک کامیاب، باوقار اور معزز تاجر کی حیثیت سے جانے اور پہچانے گئے، 1999ء تک مستقل طور پر کسی نہ کسی طرح تجارت سے جڑے رہے، پھر پیرانہ سالی اور ضعف وکمزوری کی وجہ سے گوشہ نشینی اختیار کرلی اور مزید اس میدان میں آگے بڑھنے سے باز رکھا، اور عمر کے تقاضے کی وجہ سے ان سب چیزوں اور دنیاوی اغراض ومنافع سے دستبردار ہوکر نیکی وصالحیت، عبادت وریاضت اور آخرت کی تیاری میں مشغول ومنہمک ہوگئے، ہم نے آپ کو آخری عمر میں پایا ہے، آنکھوں نے دیکھا اور دل یہ تسلیم کرنے پر مجبور ہوا کہ آپ غیر معمولی انداز کے متقی وپرہیزگار تھے، آخری عمر تک نماز کا حد درجہ اہتمام تھا، صفائی، ستھرائی اور پاکیزگی کا خاص خیال رکھتے تھے، یہ ذوق شاید موروثی تھا، بہت با اصول انسان تھے، مزاج میں سختی تھی لیکن بے جا نہیں، اصولوں کی بنیادیں منہدم ہوتے دیکھ کر غضب ناک ہوجاتے، خاندان کے سبھی چھوٹے بڑے آپ کا احترام، عزت اور قدر کرتے، ہم سب آپ کو ''آم والے بڑے دادا'' کہتے، کیونکہ آپ کے گھر کے صحن میں آم کا درخت تھا، طبیعت سے ہمیشہ اطمینان وسکون ظاہر ہوتا، آپ ہمارے والد محترم مولانا فضل حق مدنی حفظہ اللہ کے بڑے ابو لگتے تھے، خصوصا آپ ہم سے بہت لگاؤ ومحبت رکھتے تھے، چھٹیوں میں جب ملتے دعا کی درخواست کرتے، ہم بھی ان کے پاس بیٹھ کر کچھ پرانی باتیں بڑی دلچسپی سے سنتے، اخلاق وعمل کا جذبہ غیر معمولی تھا، اہل علم کی قدردانی کا ذوق بھی کافی تھا، ہم سے اکثر ناصحانہ انداز میں کہتے ارے جی راشد..... موت وزندگی کی حقیقت ہی کیا ہے، اپنا تو سورج ڈوبنے کو ہے، تم لوگ پڑھ لکھ کر اچھے عالم بنو، خاندان کی وراثت کے سچے امین بنو، آج کا دور کیا دور ہے، لوگوں کو صرف دنیا ہی دنیا نظر آتی ہے، دینی غیرت وحمیت اوجھل ہوتی نظر آرہی ہے، ہم نے شیخ الحدیث رحمہ اللہ کو نہیں دیکھا، مگر ہمارے والد محترم اور دیگر بزرگوں نے بتایا کہ مرحوم کی شکل وصورت شیخ الحدیث سے بہت زیادہ مشابہت رکھتی تھی، اب مبارکپور کا علمی میخانہ ساقیانِ علم وفن، شعور وآگہی سے شدہ شدہ خالی ہورہا ہے، ماضی قریب میں دکتور رضاء اللہ رحمہ اللہ کا سانحۂ ارتحال ہوا، شیخ صفی الرحمان مبارکپوری کوچ کر گئے، اب کچھ ہستیاں تبرک کے لئے رہ گئی ہیں، جن میں جد محترم شیخ الحدیث رحمہ اللہ کے دوسرے نجل رشید جدنا مولانا عبدالرحمان مبارکپوری صاحب تحفہ اہل الفکر، ان کے چھوٹے بھائی جدنا ڈاکٹر عبدالعزیز مدنی حفظہما اللہ، استاذ محترم شیخ عبدالکبیر مدنی حفظہ اللہ، جن کے علم وفضل وعمدہ اخلاق سے جامعہ سلفیہ کا ہر طالب علم متاثر اور ثنا خواں ہے، وغیرہ یہ سلسلہ تاقیامت جاری رہے گا۔

مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے آخری عمر میں بہت فارغ البالی عطا فرمائی تھی، دوبار حج بیت اللہ سے مشرف ہوگئے، کثیر العیال تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو سات اولاد عطا فرمائی، سب سے بڑی بیٹی ہے، جس کی شادی مالیگاؤں کے ایک معزز اور مشہور گھرانے میں ہوئی، بڑے لڑکے نعیم الرحمان سیٹھ مالیگاؤں میں بال بچوں کے ساتھ مقیم ہیں، بقیہ اولاد مبارکپور میں آباد ہے، جن میں قابل ذکر مولانا حافظ سہیل احمد صاحب سلفی ہیں، دوسرے صبیح اختر جو مبارکپور کے مشہور تاجر کی حیثیت سے جانے جاتے ہیں، اور بقیہ ڈاکٹر منصور اور ڈاکٹر تقی الدین وہاں اچھے ڈاکٹروں میں شمار کئے جاتے ہیں، ان کے الگ الگ اسپتال ہیں، خوشی کی بات ہے، مرحوم کے تمام نواسے عصری تعلیم سے آراستہ ہیں یا ہورہے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مرحوم کی بال بال مغفرت فرمائے، انہیں جنت میں اعلیٰ مقام دے اور اس علمی چمن کو ہمیشہ لہلہاتا ہوا سبزہ زار رکھے۔ آمین ثم آمین

☆☆☆

تعارف وتبصرہ

حجاج کرام کے لیے ایک نایاب تحفہ

نام کتاب : حج مبرور
مصنف : عبداللہ سعود
صفحات : 384
اشاعت اول : رمضان المبارک ۱۴۳۱ھ مطابق اگست ۲۰۱۰ء
تقسیم کار : مکتبہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) ریوڑی تالاب، بنارس، انڈیا
طباعت : جمال گرافکس، بنارس
مبصر : محمد ابوالقاسم سلفی

حج اسلام کا پانچواں رکن اور تنہا فریضہ ہے جسے اپنے گھر اور وطن میں رہ کر انجام نہیں دیا جا سکتا ہے، بلکہ اس کے لیے سفر کی صعوبتیں برداشت کر کے مکہ مکرمہ (سعودیہ عربیہ) جانا پڑتا ہے، یہ عبادت مسلسل پانچ دن تک جاری رہتی ہے، حج کے مسائل کو سمجھنے اور ہندوستانی حجاج کی رہنمائی کے لیے اردو اور دیگر زبانوں میں بے شمار کتابیں موجود ہیں، ان میں بہت سی کتابیں ایسی ہیں جو مخصوص فقہی نقطۂ نظر سے لکھی گئیں ہیں، ان میں فقہی تفصیلات اس قدر ہیں کہ حاجی ان کی بھول بھلیوں میں کھو جاتا ہے، بعض ایسی ہیں جن میں ماثور اور غیر ماثور دعائیں اور ہفوات کی اس قدر کثرت ہے کہ وہ حاجیوں کے لیے مفید ہونے کے بجائے ان کے ایمان اور عقیدہ کو برباد کر دینے والی ہے۔ بہر حال ان میں سے بیشتر کو پڑھ کر تشنگی کا احساس ہوتا ہے۔ حج کے متعلق ایک ایسی کتاب کی سخت ضرورت تھی، جو نہایت آسان زبان میں ہو، مستند اور جامع ہو، مسلکی اختلافات سے ہٹ کر صرف کتاب وسنت کی روشنی میں لکھی گئی ہو، فریضۂ حج کی اہمیت، مقصد اور اس کی روح سے روشناس کرے، وہ حاجیوں کے لئے مکمل رہنما اور گائڈ ہو۔

زیر نظر کتاب ''حج مبرور'' انہیں مقاصد کو سامنے رکھ کر ترتیب دی گئی ہے، کتاب کے مرتب مولانا عبداللہ سعود سلفی صاحب ہیں، دینی اور علمی حلقوں میں آپ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے، اللہ نے آپ کو گوناگوں صلاحیتوں سے نوازا ہے، آپ جامعہ سلفیہ کے ناظم اعلی ہیں، جامعہ کے مختلف شعبے اور بام و در آپ کے حسن انتظام کے شاہد ہیں، تقریر و تحریر دونوں سے آپ کو دلچسپی ہے، تجارتی مشغولیات اور جامعہ کی ذمہ داریوں کے باوجود لکھنے پڑھنے کے لیے وقت نکال لیتے ہیں، ماہنامہ محدث کے قارئین کے لیے آپ کی تحریریں اجنبی اور غیر مانوس نہیں ہیں۔

''حج مبرور'' نامی یہ کتاب حجاج کرام کے لیے ایک نادر اور گراں مایہ تحفہ ہے، اس کتاب میں وہ سب کچھ ہے، جس کی ضرورت حاجیوں کو اثنائے حج پڑتی ہے، کتاب چھوٹی تقطیع پر ۳۸۴ صفحات پر مشتمل ہے، مرتب نے اسے دو حصوں میں منقسم کیا ہے، پہلا حصہ حج اور اس کے مسائل پر مشتمل ہے، دوسرے حصہ میں مقامات مقدسہ، حرمین شریفین، آب زمزم، خانہ کعبہ کی مفصل تاریخ، سعودیہ عربیہ، مکہ مکرمہ، مدینہ منورہ، مسجد نبوی کی تاریخی اور جغرافیائی حالات، عربی زبان کے ضروری الفاظ، خانہ کعبہ، مسجد نبوی اور دیگر مقامات کے نقشے اور تصویریں، اور ان تمام امور کے متعلق مفصل اور مکمل رہنمائی موجود ہے جو ہر حاجی کو مکہ اور مدینہ

کے قیام کے دوران پیش آتے ہیں۔

کتاب کی جن خصوصیات نے ہمیں متاثر کیا وہ مندرجہ ذیل ہیں:

۱- کتاب انتہائی آسان، سلیس اور عام بول چال کی زبان میں لکھی گئی ہے، اسے اردو کی معمولی شُد بُد رکھنے والا ہر شخص پڑھ اور سمجھ سکتا ہے، اس میں نہ فقہی اصطلاحات کی بھرمار ہے اور نہ یہ عربی و فارسی کے پرشکوہ اور ثقیل الفاظ سے بوجھل ہے۔

۲- حج اور عمرہ سے متعلق مسائل فقہی مسالک سے ہٹ کر خالص کتاب وسنت کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں۔

۳- مسائل حج کے دلائل کی تفصیلات اور جزئیات سے گزیر کیا گیا ہے۔

۴- حج اور عمرہ کا طریقہ بتانے کے لیے رسول اللہ ﷺ کے حجۃ الوداع کی مکمل تفصیل بیان کی گئی ہے نیز حج سے پہلے اور حج کے بعد حاجی کو کیا کرنا چاہئے اور حج کے تقاضے کیا ہیں؟ اس پر بھرپور روشنی ڈالی گئی ہے، حجۃ الوداع کے بیان کے بعد دوبارہ حج اور عمرہ کا طریقہ بتلایا گیا ہے تاکہ حج کے ارکان وترتیب حاجی کو ذہن نشین ہو جائے۔

۵- مرتب نے اس بات پر زور دیا ہے کہ حاجی کو کیا کرنا چاہئے۔ کیا نہیں کرنا چاہئے اس کی تفصیل کی ضرورت نہیں محسوس کی گئی ہے۔

۶- کتاب کے دوسرے حصہ میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے، اس کی تفصیل یکجا طور پر حج سے متعلق کسی اور کتاب میں نہیں ملے گی، مکہ اور مدینہ سے مسلمانوں کا جو مذہبی اور جذباتی تعلق ہے اسے پوری طرح محسوس کرانے کے لیے مرتب نے سیرت نبوی کے واقعات کو نہایت والہانہ انداز میں بیان کیا ہے۔

۷- حجاج کرام کو کسی نہ کسی مرحلہ پر عربی زبان کی ضرورت پڑسکتی ہے، اس کے لیے خورد ونوش کے سامان اور خریداری کے لیے عربی کے ضروری الفاظ کی ایک فہرست دے دی گئی ہے، کھجور کے اقسام کا بیان باقاعدہ تصویروں کے ساتھ مذکور ہے، مکہ اور مدینہ کا درجۂ حرارت، موسم اور حرمین شریفین کے محل وقوع کی تفاصیل تصویروں کے ساتھ ملیں گی، غرضیکہ کتاب میں ہر وہ شئی موجود ہے جس کی ضرورت حاجی کو پڑسکتی ہے۔

کتاب کی طباعت اور کاغذ انتہائی معیاری ہے، سائز بھی مناسب ہے، مرد وزن ہر حاجی اسے آسانی سے اپنے پرس اور پاؤچ میں رکھ سکتا ہے۔

ان سب خصوصیات کے ساتھ کتاب میں کچھ خامیاں رہ گئی ہیں، امید ہے کہ انہیں اگلے ایڈیشن میں درست کرلیا جائے گا، سبقت قلمی کی وجہ سے بعض احادیث کا غلط ترجمہ ہوگیا ہے، تاریخی واقعات میں متعدد غلطیاں موجود ہیں نیز الفاظ کے استعمال میں تذکیر وتانیث کی خامیاں رہ گئی ہیں، کتاب کے آخر میں ص۳۵۳ سے ص۳۶۰ تک مرتب نے اپنے بارے میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کی زبان ناہمواری ہے اسے مزید سلیس کرنے کی ضرورت ہے۔

مجموعی طور پر یہ کتاب اس لائق ہے کہ ہر حاجی اسے دوران حج اپنے پاس رکھے، مسائل حج کو جاننے کے لیے اس سے بہتر کوئی اور کتاب نہیں ہوسکتی ہے۔☆☆

محمد ابوالقاسم سلفی

عالم اسلام

ظل الرحمٰن سلفی

(۱) شاہ عبداللہ کے نام سے عالمی خیراتی اور رفاہی ادارے کا قیام:

ریاض ۱۸/ستمبر، سعودی کے فرماں روا شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز نے ایک عظیم الشان سماجی اور رفاہی عالمی ادارہ کے قیام کا اعلان کیا ہے، اس ادارے کا نام ”شاہ عبداللہ بن عبدالعزیز فاؤنڈیشن“ ہوگا، اس کے بنیادی مقاصد میں انسانی خدمت، امن وشانتی، محبت ورواداری کی تعلیم کا فروغ نیز سائنسی علوم کی ترویج اور دیگر رفاہی شعبے شامل ہوں گے۔

(۳) اقوام متحدہ کی انسانی کونسل سے مسلم ممالک کا مطالبہ:

مسلم ممالک کی نمائندہ تنظیم اسلامک کانفرنس (او آئی سی) نے اقوام متحدہ سے مطالبہ کیا ہے کہ اسلاموفوبیا کونسل پرستی قرار دیا جائے، اور اس کے مرتکب افراد کے خلاف بین الاقوامی کے تحت کارروائی کی جائے، جنیوا میں قائم اقوام متحدہ کی انسانی حقوق کونسل کے رکن (۵۷ رکن ممالک پر مشتمل مسلم ممالک کی تنظیم نے اپنی قرارداد میں کہا ہے کہ فلوریڈا کے عیسائی پادری کی جانب سے ۱۱/ستمبر کی برسی کے موقع پر ”برن ڈے آف قرآن“ کے طور پر منانے کے لئے تحریک چلانے کی مذمت کرے۔

(روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۲۵/ستمبر ۲۰۱۰ء ص ۱۲)

(۴) برطانیہ میں حلال گوشت کی مقبولیت میں اضافہ:

شریعت اسلامیہ میں مسلمانوں کو جانوروں کو ذبح کرکے کھانے کے لیے حلال گوشت ہونا ضروری ہے، یہی وجہ ہے کہ غیر اسلامی ممالک میں رہائش پذیر مسلمانوں کو گوشت کے غیر شرعی طریقے سے کاٹے جانے کے باعث اس سے بنی غذاؤں کے استعمال میں ہچکچاہٹ ہوتی ہے۔

تاہم حال ہی میں منظر عام پر آنے والی ایک سروے رپورٹ کے مطابق برطانیہ کے کئی مشہور تعلیمی اداروں، کھیلوں کے میدان، اسپتالوں اور ریستوران میں مسلمانوں کے علاوہ غیر مسلموں کو بھی حلال گوشت پیش کیا جانا معمول بن گیا ہے، برطانیہ کے مشہور ومبلے اسٹیڈیم کا رخ کرنے والے تماشائیوں اور مداحوں کو مکمل طور پر شرعی طریقۂ کار کے تحت تیار کئے گئے گائے، مرغی اور بھیڑ وبکرے کے گوشت کی اشیاء فروخت کی جاتی ہیں۔

(روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ، ۲۱/ستمبر ۲۰۱۰ء ص ۱۲)

(۵) قرآن مقدس کی بے حرمتی کے اعلان کے بعد امریکہ میں ۱۸۰/افراد کا قبول اسلام:

امریکہ کی ریاست فلوریڈا میں ایک عیسائی پادری کی جانب سے قرآن کریم کی بے حرمتی کی دھمکی کے بعد غیر مسلم شہریوں کی اسلام کی جانب رجحان میں اضافہ ہوا ہے، چنانچہ عرب ٹی وی کی ایک رپورٹ کے مطابق امریکی دارالحکومت واشنگٹن کے اسلام سینٹر کے ڈائریکٹر محمد ناصر نے بتایا کہ پادری کی جانب سے دی جانے والی دھمکی نیز گراؤنڈ زیرو میں مسجد کی تعمیر کی مخالفت کے بعد صرف امریکی دارالحکومت میں ۱۸۰/افراد نے اسلام قبول کرلیا ہے۔

(روزنامہ راشٹریہ سہارا لکھنؤ ۲۱/ستمبر ۲۰۱۰ء ص ۳)

اخبار جامعہ

فضیلۃ الدکتور جاوید اعظم عبدالعظیم جامعہ سلفیہ کے نئے صدر منتخب

مورخہ ۳؍ اکتوبر ۲۰۱۰ء بروز اتوار مجلس عاملہ جامعہ سلفیہ کی سالانہ میٹنگ میں تمام اراکین وذمہ داران جامعہ نے اتفاق رائے سے فضیلۃ الدکتور جاوید اعظم عبدالعظیم حفظہ اللہ (سابق اسسٹنٹ پروفیسر گرلس کالج، دمام، سعودی عرب) کو جامعہ سلفیہ بنارس کا صدر منتخب کیا۔

واضح رہے کہ ۳۰؍ اکتوبر ۲۰۰۹ء کو حضرت العلام استاذ الاساتذۃ مفکر اسلام فضیلۃ الدکتور مقتدی حسن ازہری رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ کی وفات کے بعد سے ہنوز یہ منصب خالی تھا، منتظمین واراکین جامعہ خصوصا اور احباب جماعت اہلحدیث کو عموما جامعہ سلفیہ کے نومنتخب صدر محترم سے بڑی امیدیں وابستہ ہیں۔

اللہ رب العالمین موصوف کے ذریعہ جامعہ کو بام عروج تک پہنچائے اور گوناگوں ترقی کے مراحل طے کرنے کی سعادت نصیب فرمائے۔ آمین۔

مولانا عبداللہ سعود سلفی (ناظم اعلی جامعہ سلفیہ بنارس) عازم حج

۹؍ ستمبر ۲۰۱۰ء کو جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے روح رواں وناظم اعلی جناب مولانا عبداللہ سعود عبدالوحید سلفی حفظہ اللہ مع اہل خانہ بتوفیق الہی عازم حج ہوئے۔

اللہ تعالی ان کے حج کو حج مبرور ومقبول کرے اور انہیں صحت وعافیت کے ساتھ واپس لائے، آمین۔

اظہار تشکر

جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے منتظمین اور ذمہ داران ان تمام اہل خیر ومحسنین کا تہ دل سے شکر گزار ہیں، جنہوں نے ماہ رمضان میں جامعہ کے لیے عموما اور ماہنامہ محدث کے لیے خصوصا اپنی زکاۃ وعطیات سے نوازا۔

اللہ تعالی ان تمام حضرات کے زکاۃ، صدقات وعطیات کو قبول فرمائے، رزق میں کشادگی وفراوانی عطا فرمائے، آمین۔

انتہائی خوشی کی بات ہے کہ جامعہ سلفیہ (مرکزی دارالعلوم) بنارس کے ایک ہونہار طالب علم راشد حسن بن فضل حق ف۳؍ مورخہ ۱۴؍۹؍۲۰۱۰ء نے کلیۃ الحدیث الشریف بنگلور کے زیر اہتمام حفظ حدیث کے موضوع پر ہونے والے آل انڈیا مسابقہ میں اول پوزیشن سے سرفراز ہوئے اور جامعہ کا نام بلند کیا۔

(ادارہ)

باب الفتاوی

کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ:

بہت سے مرد وعورت وِگ لگاتے ہیں یعنی اپنے سروں پر مصنوعی بال استعمال کرتے ہیں، قرآن وسنت کی رو سے کیا ایسا کرنا جائز ودرست ہے؟

مفصل طور پر جواب دے کر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں، نوازش ہوگی۔

الجواب بعون اللہ الوہاب ہو الموفق للصواب:

صورت مسئولہ میں واضح ہو کہ بلا کسی شرعی عذر کے سر پر وِگ یعنی مصنوعی بالوں کا لگانا یا سر کے بالوں کے ساتھ مصنوعی بالوں کو ملانا شرعی اعتبار سے درست نہیں بلکہ یہ موجب لعنت وگناہ کبیرہ ہے، اللہ کے رسول جناب محمد ﷺ نے مصنوعی بال لگانے والوں پر لعنت فرمائی ہے، آپ ﷺ کا ارشاد گرامی ملاحظہ فرمائیں:

مشہور متبع سنت صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: "لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة" (بخاری، کتاب اللباس، باب وصل الشعر: ۵۹۳۷، مسلم: کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة: ۲۱۲۴) یعنی اللہ تعالی کی لعنت ہو مصنوعی بال لگانے اور مصنوعی بال لگوانے والی پر، جسم گود کر رنگ بھرنے والی اور بھروانے والی پر"۔

اسی طرح مشہور صحابی رسول حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ: "لعن رسول الله ﷺ آكل الربا وموكله والواصلة والموصولة والمحل والمحلل له" (مسند احمد: ۴۴۸/۱، بیہقی ۲۰۸/۷) یعنی رسول اکرم ﷺ نے سود کھانے والے، سود کھلانے والے، مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی، حلالہ کرنے والے اور جس کے لئے حلالہ کیا جائے سب پر لعنت کی ہے۔

اسی طرح ایک دوسری حدیث جسے امام المحدثین امام بخاری رحمہ اللہ نے اپنی صحیح بخاری کے اندر ذکر کیا ہے، راوی حدیث حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ہیں، آپ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "لعن الله الواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة" (بخاری شریف، کتاب اللباس ح: ۵۹۳۳) یعنی اللہ تعالی نے مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی، جسم گود کر نیل بھرنے والی اور بھروانے والی پر لعنت کی ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: "إن جارية من الأنصار تزوجت وانها مرضت فتمعط شعرها فأرادوا أن يصلوها فسألوا النبي فقال لعن الله الواصلة والمستوصلة" (صحیح بخاری، کتاب اللباس، باب وصل الشعر: ۵۹۳۴) مسلم: کتاب اللباس والزینة: ۲۱۲۳) یعنی ایک انصاری لڑکی کی شادی ہوئی لیکن وہ بیمار ہوگئی، اس کے سر کے بال گر گئے، انہوں نے چاہا کہ اس کے بالوں میں مصنوعی بال (یعنی وگ) ملا دیں، انہوں نے رسول اللہ

ﷺ سے مسئلہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالی نے مصنوعی بال لگانے والی اور لگوانے والی پر لعنت کی ہے۔

اسی طرح سیدہ اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا سے مروی ہے: ان امرأة جاء ت إلى رسول الله ﷺ فقالت إني أنكحت ابنتى ثم أصابها شكوى فتمزق رأسها وزوجها يستحثنى بها أفأصل رأسها؟ فسب رسول الله ﷺ الواصلة والمستوصلة" (بخاری شریف، کتاب اللباس: ۵۹۳۵، مسلم: کتاب اللباس، باب تحریم فعل الواصلۃ: ۲۱۲۲)

یعنی نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور اس نے کہا: ''میں نے اپنی لڑکی کا نکاح کیا تھا، پھر اسے بیماری لاحق ہوئی اور سر کے بال گر گئے، اس کا خاوند خواہش مند ہے کہ میں اس کے بالوں میں مصنوعی بال (یعنی وگ) جوڑ دے، اب کیا میں مصنوعی بال لگا سکتی ہوں؟ تو رسول اللہ ﷺ نے یہ سن کر مصنوعی بال لگانے اور لگوانے والی پر لعنت کی۔

مندرجہ بالا صحیح احادیث سے یہ بات بالکل واضح ہوگئی کہ مصنوعی بال لگوانا ناجائز وحرام ہے، حتی کہ آپ ﷺ نے ایک ایسی عورت کو وگ لگانے کی اجازت نہیں دی، جس کے بال بیماری کی وجہ سے گر گئے تھے، حالانکہ اس عورت کا خاوند بھی خواہش مند تھا کہ وہ وگ استعمال کرے لیکن رسول اللہ ﷺ نے ایسا کام کرنے والے پر لعنت کی۔

ظاہر ہے عورتوں کے لیے سر کے بال زینت ہیں اور محرم کے سامنے اظہار زینت ایک فطری تقاضا ہے، اسلام محرم افراد کے سامنے اس کی اجازت بھی دیتا ہے لیکن اس کے باوجود جعلی اور مصنوعی بال استعمال کرنے پر سخت وعید ہے، جب عورت کو اس کی اجازت نہیں تو مرد کو وگ استعمال کرنے کی اجازت کیسے ہوسکتی ہے؟ اس حرمت کا اطلاق مردوں پر بالاولی ہے۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اسے یہود کا عمل قرار دیا ہے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے: "قدم معاوية المدينة آخر قدمة قدمها فخطبنا فاخرج كبة من شعر قال ما كنت أرى أحدا يفعل هذا غير اليهود ان النبي ﷺ سماه الزور يعنى الواصلة في الشعر" (صحیح بخاری، کتاب اللباس: ۵۹۳۸) حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ آخری مرتبہ مدینہ آئے اور خطبہ دیتے ہوئے (نقلی) بال کا ایک جوڑا نکالا اور کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی یہ فیشن کرتا ہوگا سوائے یہود کے، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے اسے زور (جھوٹ) سے تعبیر فرمایا ہے، یعنی بال جوڑنا۔

اس حدیث پاک سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ وگ لگانا یہودیوں کا کام تھا اور آج بھی ہے، لہذا مسلمان مرد ہوں یا عورتیں انہیں وگ استعمال کرنے سے مکمل طور پر اجتناب کرنا چاہئے، امام ابن قدامہ رحمہ اللہ (المغنی ۱/۱۲۹) میں فرماتے ہیں کہ حدیث میں ذکر کردہ خصلتیں حرام ہیں، اس لئے کہ نبی کریم ﷺ نے ان عامل پر لعنت کی اور مباح کام سرانجام دینے والے پر لعنت کرنا جائز نہیں، یعنی وگ لگانا حرام ہے کیونکہ وگ لگانے والے پر شرع میں لعنت وارد ہوئی ہے، علامہ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وهذه الأحاديث صريحة في تحريم الوصل ولعن الواصلة والمستوصلة مطلقا وهذا هو الظاهر المختار" (شرح مسلم للنووی ۱۴/۸۷) یعنی یہ احادیث وگ کی حرمت اور وگ لگانے اور لگوانے والی پر لعنت کے

بارے میں مطلق طور پر واضح ہیں اور یہی مذہب ظاہر و پسندیدہ ہے۔

قاضی عیاض ؒ فرماتے ہیں: "فقال مالك والطبرى وكثيرون أو الأكثرون الوصل ممنوع بكل شيء وصلته بشعر أو صوف أو خرق واحتجوا بحديث جابر الذي ذكره مسلم بعد هذا أن النبي ﷺ زجر أن تصل المرأة برأسها شيئا" (شرح مسلم للنووی ۸۸/۱۴، السراج الوھاب: ۳۰۶/۲) یعنی امام مالک ؒ، امام طبری اور دیگر بہت سے ائمہ دین ؒ نے فرمایا: بالوں کو کسی بھی چیز کے ساتھ جوڑنا منع ہے خواہ انہیں دیگر بالوں، اون یا کپڑے کے ساتھ جوڑا جائے اور ان ائمہ کرام نے حضرت جابر ؓ کی اس حدیث سے حجت پکڑی ہے جسے امام مسلم ؒ نے اس کے بعد ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے عورت کو اس بات سے ڈانٹا ہے کہ وہ اپنے سر کے (بالوں) کے ساتھ کسی اور چیز کو جوڑے۔

حافظ ابن حجر ؒ فرماتے ہیں: "وفى هذا الحديث حجة لمن قال يحرم الوصل فى الشعر والوشم ...... الخ " (فتح الباری: ۳۷۷/۱) یعنی اس حدیث میں ایسے آدمی کے لیے دلیل ہے جو کہتا ہے کہ بالوں میں وگ لگانا، جسم کو گود کر نیل بھرنا اور چہرے کے بالوں کو نوچنا فاعل اور مفعول دونوں پر حرام ہے اور یہ ان لوگوں پر حجت ہے جو اس ممانعت کو نہی تنزیہی پر محمول کرتے ہیں، اس لئے کہ لفظ ''لعن'' کی دلالت حرمت پر قوی ترین دلالتوں میں سے ہے، بلکہ بعض کے نزدیک کبیرہ گناہوں کی علامت میں سے ہے۔

مندرجہ بالا صحیح احادیث اور ائمہ کرام و محدثین عظام کی تشریحات سے واضح ہوا کہ مصنوعی بال لگانا مطلقا ممنوع و حرام ہے اور یہ یہودیوں کی عادات و علامات میں سے ہے، مرد و زن اس حکم میں برابر ہیں، اگر کسی کا بال جھڑ رہا ہے یا گنجا ہو گیا ہے تو اس بیماری یا گنجے پن کو دور کرنے اور ختم کرنے کے لئے شرعی طور پر اسے رخصت حاصل ہے، اللہ تعالی نے ہر بیماری کے لیے دوا و علاج رکھا ہے، جیسا کہ حضرت اسامہ بن شریک ؓ فرماتے ہیں: ''میں نبی کریم ﷺ کے پاس آیا اور آپ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین ایسے (جم کر بیٹھے) تھے کہ گویا ان کے سروں پر پرندے ہوں، میں نے سلام کیا پھر بیٹھ گیا، ادھر ادھر سے آئے ہوئے دیہاتی لوگوں نے کہا: اے اللہ کے رسول! کیا ہم علاج کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ''علاج کرو یقیناً اللہ تعالی نے کوئی بیماری ایسی نہیں رکھی مگر اس کے لئے دوا بھی اتار دی ہے، سوائے ایک بیماری کے اور وہ بڑھاپا ہے۔

معلوم ہوا کہ ہر مرض کا علاج موجود ہے، لہذا بال جھڑنے اور گنجے پن کا علاج تو کرایا جا سکتا ہے، لیکن الگ سے کوئی دوسری چیز اس کے ساتھ جوڑا نہیں جا سکتا ہے۔

اللہ تعالی تمام مسلمانوں کو مخالف شریعت کاموں سے محفوظ رکھے، آمین۔

ھذا ما عندی واللہ اعلم بالصواب
ابو عفان نور الہدی عین الحق سلفی مالدہی
استاذ جامعہ سلفیہ بنارس